رجسٹرڈ ایل ۱۸۵ — THE ALFAZL QADIAN — ڈاک نمبر ۱۳۵

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ۭ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

دین کی نصرت کے لئے اک آسمان پر شور ہے | عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا | اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانیکے دن

دُنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دیگا (الہام حضرت مسیح موعود)

الفضل

مضامین بنام ایڈیٹر

کاروباری اُمور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہو

ایڈیٹر۔ غلام نبی ۔ اسسٹنٹ۔ ظہیر محمد خان

نمبر ۵۰ و ۵۱	مورخہ ۲۶ دسمبر تا ۲ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء	مطابق ۲۵ ربیع الثانی تا ۳ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۰ھ	جلد ۹

فہرست مضامین

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے ناسازی طبع مبارک کے باوجود ایام جلسہ میں مسلسل کئی کئی گھنٹے جو تقریریں فرمائیں۔ احمدیہ جماعتوں کو شرف ملاقات بخشنے میں جو وقت صرف فرمایا اور دیگر امور سرانجام دئے۔ ان کا خیال کر کے کہا جاسکتا ہے۔ کہ حضور نے ان ایام میں ایک لمحہ بھی آرام نہیں فرمایا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور تائید سے ہوا۔ کیونکہ انسانی طاقت سے یہ بہت بالا ہے۔

ایام جلسہ میں ۲۷ دسمبر کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا سب سے چھوٹا صاحبزادہ صرف ایک دن بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت خلیفۃ المسیح نے بہت بڑی تعداد کے ساتھ جنازہ پڑھایا۔

۳۰ دسمبر کو مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب کا لڑکا عبداللہ نامی جسکی عمر ۲ سال کی تھی۔ ڈھاب میں ڈوب کر فوت ہو گیا۔ جب اسکے گرنے کا علم ہوا تو بہت تھوڑا

جلوہ طور

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی نظم

جو سالانہ جلسہ ۱۹۲۱ء کے موقع پر پڑھی گئی

۲۷ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء کے دوسرے اجلاس میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سے قبل حضور کی ایک نظم پڑھی گئی جس کے متعلق حضور نے حسب ذیل مختصر سی تقریر فرمائی :۔

"ڈاکٹر احمد حسین صاحب اسوقت میری ایک نظم پڑھینگے اس کے متعلق میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ جو اس نظم کا محرک ہوا۔ وہ ایک رؤیا ہے۔ کشمیر جب میں گیا ہوا تھا۔ تو وہاں میں نے ایک رات دیکھا کہ میں ایک پہاڑی کی طرف جا رہا ہوں۔ اور ایک شعر میری زبان پر جاری ہے۔ وہ شعر تو مجھے یاد نہیں رہا۔ مگر اس کا مطلب یاد ہے۔ جو یہ ہے کہ گویا وہ طور پہاڑ ہے۔ اور میں اس مضمون کا شعر پڑھ رہا ہوں کہ دیکھو طور پر خدا جلوہ گر ہے۔ میں اس جلوہ کو خود دیکھتا ہوں اور دوسروں کو دکھاتا ہوں۔ صبح کو جب میں اٹھا۔ تو وہ شعر بھول گیا۔ مگر مضمون یاد تھا۔ اسلئے میں نے مناسب سمجھا کہ نظم کہدوں۔ اس نظم کا اکثر حصہ تو کشمیر میں ہی لکھا گیا تھا۔ اور کچھ یہاں لکھا ہے۔ وہ نظم ڈاکٹر صاحب اب آپ کو سنائینگے"

نظم حسب ذیل ہے :۔

طور پہ جلوہ کناں ہے وہ۔ ذرا دیکھو تو
حسن کا باب کھلا ہے بخدا۔ دیکھو تو

رعب حسن شہ خوباں کو ذرا دیکھو تو
ہاتھ باندھے ہیں کھڑے شاہ و گدا دیکھو تو

اپنے بیگانوں نے جب چھوڑ دیا ساتھ مرا
وہ مرے ساتھ رہا اسکی وفا دیکھو تو

عاقلو! عقل پہ اپنی نہ ابھی نازاں ہو
پہلے تم وہ نگہ ہوش ربا دیکھو تو

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو! زور دعا دیکھو تو

ہیں تو معشوق مگر ناز اٹھاتے ہیں مرے
جمع ہیں ایک ہی جا حسن و وفا دیکھو تو

عاشقو! دیکھ چکے عشق مجازی کے کمال
اب مرے یار سے بھی دل کو لگا دیکھو تو

ہے کبھی رویت دلدار کبھی وصل حبیب
کیسی عشاق کی ہے صبح و مسا دیکھو تو

چاروں اطراف میں مجنوں ہی نظر آتے ہیں
نہ ہوا ہو وہ کہیں جلوہ نما دیکھو تو

ہے کہیں جنگ کہیں زلزلہ طاعون کہیں
لے گرپ کا ہے کہیں شور پڑا دیکھو تو

کس نے اپنے رخ زیبا پہ سے الٹی ہے نقاب
جس سے عالم میں ہے یہ حشر بپا دیکھو تو

جلوۂ یار ہے کچھ کھیل نہیں ہے لوگو!
احمدیت کا بھلا نقش مٹا دیکھو تو

کیا ہوا تم سے جو ناراض ہے دنیا محمودؔ
کس قدر تم پہ ہیں الطاف خدا دیکھو تو

قادیان کا سالانہ جلسہ

مختصر روئداد

اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم کے ماتحت جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ بابت ۱۹۲۱ء خدا کے رسول کے تخت گاہ میں ۲۶ تا ۲۹ دسمبر تک ہوتا رہا۔ اس دفعہ بدستور سابق جلسہ مسجد نور ہی میں ہوا۔ بلحاظ انتظام اور بلحاظ پابندی اوقات اور بلحاظ تقاریر بلحاظ حاضری اور بلحاظ اپنے واقعات اور بلحاظ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی شاندار تقریروں کے ایک خاص اور تاریخی جلسہ تھا۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ ناظرین کرام اگلے نمبروں میں ملاحظہ فرمائینگے۔ اسوقت ہم ایک اجمالی خاکہ احباب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :-

چونکہ احباب کی بہت بڑی تعداد ۲۵ کو ہی پہنچ چکی تھی۔ اسلئے ظہر کی نماز کے بعد مسجد اقصیٰ میں تقریریں کی گئیں۔ اور جلسہ کی باقاعدہ کارروائی ۲۶ کو شروع ہوئی۔ اسدن کا پہلا اجلاس زیر صدارت جناب چوہدری نصر اللہ خان صاحب وکیل سیالکوٹ منعقد ہوا۔ تلاوت حافظ عبد اللہ صاحب پسر مولوی حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے کی۔ اور حکیم احمد حسین صاحب لائلپوری نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک نظم میں سے کچھ حصہ پڑھا۔ اور ان کے بعد۔ انکے جناب چودھری فتح محمد صاحب ایم اے نے ایک گھنٹہ تک "مشن انگلستان اور اس کا کام" کے عنوان سے تقریر فرمائی۔ اسکے بعد انکے جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب جنرل سیکرٹری نے صدر انجمن احمدیہ کی رپورٹ ۲۵ منٹ میں سنائی۔ اسکے بعد نظارت امور عامہ کی رپورٹ ۲۵ منٹ میں ذو الفقار علیخان صاحب نے پڑھی۔ ان دو رپورٹوں کے بعد جناب مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی تقریر ۱۲ بجکر ۵ منٹ پر "اسلام اور اخلاق فاضلہ" کے عنوان سے شروع ہوئی اور ایک بجکر ۲۰ منٹ پر ختم ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ بوجہ تنگی وقت ساری تقریر ختم نہ ہو سکی۔ اور نماز کیلئے اجلاس برخاست ہو گیا۔ اتنے میں حضرت اقدس مسجد نور میں تشریف لے آئے۔ اور حضور نے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور سٹیج پر تشریف لے آئے۔ اور دو بجے دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ مولوی حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے تلاوت کی اور جناب مولوی محمد نواب خان صاحب مالیر کوٹلوی نے نظم پڑھی جو اسی اخبار میں دوسری جگہ درج ہے۔ جب نظم ہو چکی۔ تو ایک شخص نے جو قادیان میں زرگری کا کام کرتا ہے۔ امور عامہ کے متعلق شکایت کرتے ہوئے زنجیر سے اپنے آپکو پیٹنا چاہا۔ چونکہ اس کی یہ حرکت نہایت بیہودہ اور اس غرض سے تھی کہ حاضرین کو اپنی جھوٹی مظلومیت جتائے۔ اسلئے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے ایک تقریر پہلے بیٹھے بیٹھے اس سے مخاطب ہو کر اور بعد میں کھڑے ہو کر کی۔ اور اس شکایت کی حقیقت اور تفصیل بیان فرمائی۔ اور حضور تشریف لے گئے۔

دوسرے اجلاس کی کارروائی بصدارت مولانا عبد الماجد صاحب پروفیسر بھاگلپور شروع ہوئی۔ اور نظارت تعلیم و تربیت کی رپورٹ پڑھی گئی۔ اس کے بعد حافظ روشن علی صاحب کی تقریر "سیرت مسیح موعود" کے متعلق ۲ بجکر ۵۵ منٹ پر شروع ہو کر ۴ بجکر ۱۵ منٹ پر ختم ہوئی۔ تقریر نہایت مؤثر اور دلپذیر تھی اور جب وقت مقررہ میں ختم نہ ہو سکی۔ تو حاضرین نے وقت بڑھانے کی درخواست کی۔ لیکن پابندی وقت کی وجہ سے پریزیڈنٹ صاحب کو یہ درخواست نامنظور کرنی پڑی۔ اور اسپر اس دن کا اجلاس ختم ہوا۔

جلسہ کا دوسرا دن

دوسرے دن جلسہ کی کارروائی مطابق پروگرام ۹½ بجے شروع ہوئی۔ پہلے اجلاس کے صدر مولوی سید عابد حسین صاحب بی اے تھے۔ تلاوت مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی نے کی۔ اور نظم منشی قاسم علیخان صاحب قادیانی (رامپوری) نے پڑھی۔ جن کے بعد ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے پنجابی میں ایک نظم پڑھی اور دس بجے جناب شیخ عبد الرحمٰن صاحب فاضل مصری کی تقریر بعنوان "کیا حضرت مسیح موعود کو اپنے دعویٰ کے متعلق ابہام رہا" شروع ہو کر پورے ساڑھے گیارہ بجے ختم ہوئی۔ اور چالیس منٹ میں "نظارت تالیف و اشاعت" کی رپورٹ جناب مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد جناب مولوی حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری کی تقریر بعنوان "پیشگوئیوں اور حضرت اقدس کے دیگر الہامات پر نئے اعتراضات کے جواب" ۱۲ بجکر دس منٹ سے ایک بجے تک ہوئی۔ جو ولولہ انگیز اور پرجوش تھی۔ اس کے بعد جلسہ نماز ظہر و عصر کے لئے برخاست ہوا

(بقیہ دیکھو صفحہ ۱۵ پر)

289

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الفضل
قادیان دار الامان ۲۶ دسمبر تا ۲ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء

مسٹر امیر علی اور پروفیسر رام دیو

نمبر ۳

(رقم زدہ جناب مولانا مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے)

پروفیسر رام دیو صاحب نے اس اقرار کے بعد کہ زید و بکر کا قول بطور سند پیش نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ انھوں نے مسٹر امیر علی وغیرہ کے اقوال کو بطور سند کے ہی پیش کیا تھا۔ اثبات کی ضرورت نہ تھی۔ کہ اس سے زیادہ اس بحث کے متعلق کچھ لکھا جاتا۔ مگر پروفیسر صاحب کی مزید تسلی کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دکھایا جاوے کہ پروفیسر صاحب صرف حضرت خلیفۃ المسیح کے پیش کردہ اصول کو صحیح تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ بلکہ وہ ان دلائل کو بھی توڑنے سے عاجز رہے ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنے اصول کی تائید میں اور مسٹر امیر علی وغیرہ کے اقوال کے سند نہ ہونے کے ثبوت میں پیش فرمائے تھے ٭

حضرت خلیفۃ المسیح کے پہلے مضمون کا جواب لکھتے ہوئے پروفیسر صاحب نے اس استدلال کی تائید میں جو انھوں نے مسٹر امیر علی۔ مسٹر مظہر حق۔ مسٹر یوسف علی اور مسٹر خدا بخش کے اقوال سے کیا تھا۔ مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے تھے۔

اگر کسی مذہب کا پرجوش واعظ اور مسلمہ وکیل اس کتاب میں جو اس نے اس مذہب کی حمایت میں لکھی ہو۔ اس کے کئی مسائل کو زمانہ کے لحاظ سے ناقابل حمایت تسلیم کرے تو یہ ان مسائل کی کمزوری کا ثبوت ہے۔ کسی مذہب کے نمائندوں کا باوجود کوشش کے اس کے بعض مسائل کی حمایت نہ کر سکنا اس مذہب کی کمزوری کی دلیل ہے۔ اس دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ مسٹر امیر علی وغیرہ اسلام کے مسلمہ لیڈر اور نمائندے ہیں۔ اور انھوں نے اسلام کی تائید میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اور جب مذہب کا ایک نمائندہ بعض مسائل کو ناقابل حمایت تسلیم کرتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ واقعہ میں وہ مسائل کمزور اور ناقص اور ناقابل عملدرآمد ہیں ٭

پروفیسر صاحب کی اس دلیل کی تردید میں اور اس امر کے ثبوت میں کہ مسٹر امیر علی وغیرہ اسلام کے مسلمہ لیڈر اور نمائندے نہیں ہیں۔ اور کسی صورت میں بھی ان کے کہہ دینے سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ مسائل واقعہ میں کمزور اور ناقابل عملدرآمد ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے مندرجہ ذیل امور پیش فرمائے

۱۔ تصنیف کسی کو راہ نما اور مسلمہ لیڈر نہیں بنا دیتی۔ بڑے بڑے راہ نما دنیا میں گذرے ہیں۔ لیکن انھوں نے خود کوئی تصنیف نہیں کی۔ اور بعض جو اہل نہ تھے۔ انھوں نے تصانیف کر دی ہیں۔ تصنیف تو ادبی مذاق یا جوش قلب پر دلالت کرتی ہے یا شہرت و نمود کی خواہش کی علامت ہے ٭

۲۔ مسلمہ لیڈر تو تب ہی ہو سکتے ہیں۔ جب کوئی جماعت ایسی موجود ہو۔ جو اپنے آپ کو ان کی رائے سے متفق ظاہر کرتی ہو یا کم سے کم ان کو مذہبی طور پر کوئی رتبہ دیتی ہو۔ مثلاً مذہبی مسائل میں ان کی رائے کو وقعت دیتی ہو۔ ان سے مذہبی امور میں مشورہ لیتی ہو ٭

پروفیسر صاحب اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دے سکے ٭

۳۔ پروفیسر صاحب کے چار پیش کردہ آدمیوں میں سے کوئی بھی مذہبی لیڈر نہیں کہلا سکتا۔ مسٹر امیر علی صاحب کی تمام تر عزت و شہرت انکی قانونی قابلیت کی وجہ سے یا سیاسی سعی کی وجہ سے ہے۔ اور اب تو مسلمان انکو سیاسی لیڈر بھی تسلیم نہیں کرتے۔ مسٹر خدا بخش کو کسی رنگ میں بھی مسلمانوں میں کوئی عظمت حاصل نہیں تھی۔ مسٹر یوسف علی اور مظہر حق تو خود پروفیسر صاحب کے معیار کے مطابق بھی پورے نہیں اترتے ٭

ان چار آدمیوں میں سے تین کے متعلق پروفیسر صاحب کوئی جواب نہیں دے سکتے ٭

۴۔ نمائندہ دوسروں کے تسلیم کرنے سے ہوتا ہے۔

اسکے جواب میں بھی پروفیسر صاحب بالکل ساکت ہیں ٭

۵۔ یہ کتب اہل اسلام کی طرف سے نہیں سمجھی جا سکتیں۔ کیونکہ اہل اسلام نے ان اصحاب کو اسلام کی تائید میں کتب لکھنے کے لئے نہیں کہا۔ اور نہ انکی کتب کے شائع ہونے پر انکو اسلام کا صحیح ترجمانی کرنیوالا قرار دیا گیا ہے ٭

اسکے جواب میں بھی پروفیسر صاحب خاموش ہیں ٭

۶۔ رائے اسی شخص کی حجت ہو سکتی ہے۔ جو کسی مذہب کا بانی ہو یا کسی جماعت نے خود اسے اپنا نمائندہ تسلیم کیا یا اسکی رائے ظاہر کرنے کے بعد سب نے اس کے صحیح ہونے کی تصدیق کی ہو ٭

اس کا بھی پروفیسر صاحب کے پاس بجز سکوت کے کوئی جواب نہیں تھا

۷۔ مسلمان ہمیشہ سے ان عقائد کے جو ان لوگوں کی طرف پروفیسر صاحب منسوب کرتے ہیں۔ مخالف رہے ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔ پھر اسقدر اختلاف رائے کے ہوتے ہوئے ایک دوسرے کا نمائندہ کس طرح ہو سکتا ہے ٭

اس کا بھی پروفیسر صاحب کے پاس بجز خاموشی کے اور کوئی جواب نہیں ٭

۸۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسٹر امیر علی کی نمائندگی کا کبھی انکار نہیں کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ جب مصنف نے نمائندہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو پھر باوجود مخالفت خیال کی موجودگی کے مصنف کی نمائندگی کا انکار کرنا اگر حماقت نہ ہوتی۔ تو اور کیا ہوتا۔ اسپر مصنف خود کہتا کہ میں نے کب نمائندہ ہونے کا دعویٰ کیا کہ میری نمائندگی سے انکار کیا جاتا ہے ٭

اسکے جواب میں بھی پروفیسر صاحب خاموش ہیں ٭

۹۔ مسٹر امیر علی لکھتے ہیں کہ یہ کتاب خصوصیت سے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے لکھی گئی ہے تاکہ وہ عقلی اور اخلاقی زندگی حاصل کریں۔ پس وہ خود تو ایسے جج ہیں نہ وکیل۔ موکل کو وکیل مخاطب نہیں کرتا ٭

۱۰۔ ان مضامین کا رد پچھلے تیس سال میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ یہی ان کے مذہبی نمائندہ ہونے کا رد ہے۔

اس کے جواب میں بھی پروفیسر صاحب خاموش ہیں۔

۱۱۔ مسٹر امیر علی خود اقرار کرتے ہیں کہ ان کی کتاب کی مخالفت کی گئی۔ اس کے غلط خیالات کا رد کیا گیا۔ پس یہ غلط ہے کہ ان کی نمائندگی کا انکار نہیں کیا گیا ٭

۱۲۔ اگر ان لوگوں کو کسی فرقہ کا نمائندہ مان بھی لیا جائے تب بھی ان کا قول صرف اس فرقہ کے لئے حجت ہو سکتا ہے

نہ کہ تمام مسلمانوں کے لئے۔

اس کا جواب بھی پروفیسر صاحب کے پاس بجز خاموشی کے اور کچھ نہیں ۔

۱۳۔ اگر پروفیسر صاحب کے نزدیک مسٹر تلک۔ پنڈت درگا دتا جوشی اور راؤ بہادر دیوراؤ نائک صاحب جیسے ویدک دھرم کے پیرؤوں کے اقوال جو ویدک دھرم کے بعض اصول کی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں۔ صرف اسوجہ سے قابل سند نہیں ہیں کہ یہ لوگ آریہ سماجی نہیں تھے۔ تو پھر مسٹر امیر علی۔ مسٹر خدا بخش وغیرہ کے ایسے اقوال جو اسلام کے خلاف ہوں۔ کس طرح اسلام کے خلاف استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ جب کہ اسلام میں بھی کئی فرقے ہیں ۔

اس کا جواب بھی پروفیسر صاحب قطعاً کچھ نہیں دے سکے ۔

۱۴۔ پروفیسر صاحب کا قاعدہ پیش کردہ غلط ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ ایک شخص ایک کتاب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مانتا بھی ہو۔ اور پھر اس کے بعض حصوں کو کمزور قرار دے ۔

۱۵۔ ایسے لوگ جو ایک مذہب کے بعض حصوں کو کمزور یا ناقص یا باطل قرار دیتے ہیں۔ وہ اس مذہب کو خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں سمجھتے۔ بلکہ اسکو بطور تمدن کے مانتے ہیں۔ اور ایسے لوگ اس مذہب پر حملہ ہوتے ہوئے دیکھ کر اس مذہب کی حمایت بھی شروع کر دیتے ہیں

۱۶۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک مذہب کا نمائندہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ جو اس کے بعض حصوں کو غلط قرار دے تو پھر بھی اس کے بعض مسائل کے رد کر دینے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ وہ مسائل کمزور ہیں۔ جو مسائل عقلی ہیں انکو دلائل یا مشاہدہ سے غلط ثابت کرنا چاہیئے نہ زید و بکر کے قول سے۔ زید و بکر کا قول سند نہیں ہو سکتا۔ ہاں کبھی ایک مدعی اپنے دلائل پیش کردہ کی تائید میں کسی کا قول پیش کر سکتا ہے ۔

اس دلیل کو پروفیسر صاحب صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں۔ کہ میں نے ان لوگوں کے اقوال کو بطور سند کے پیش نہیں کیا تھا۔ بلکہ صرف تائیدی دلیل ہی کے طور پر پیش کیا تھا۔ اور اسطرح حضرت خلیفۃ المسیح کے نقطۂ خیال کو صحیح تسلیم کر کے عملی طور پر بحث کو ختم کرتے ہیں۔ مگر ان کا یہ بیان واقعات کے خلاف ہے ۔

یہ سولہ دلائل تھے۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح نے اس بات کے ثبوت میں پیش فرمائے تھے۔ کہ مسٹر امیر علی یوسف علی۔ مظہر الحق و خدا بخش اسلام کے مسلم لیڈر نہیں ہیں۔ اور اگر ہوں بھی تو محض ان کے قول سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ ان سولہ دلائل میں ۹ کے جواب میں تو پروفیسر صاحب نے خاموشی اختیار کی ہے۔ اور صرف ایک دلیل یعنی نمبر ۱۶ کو انھوں نے صحیح تسلیم کیا۔ مگر یہ تسلیم کرنا کیا تھا۔ بازی کا ہار دینا۔ کیونکہ اس دلیل میں حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا تھا۔ کہ اگر بالفرض مسٹر امیر علی۔ خدا بخش۔ یوسف علی۔ مظہر حق کو اسلام کا نمائندہ مان بھی لیا جائے۔ تو صرف ان کے کہہ دینے سے کوئی مسئلہ کمزور ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک عقلی دلائل سے اسکی کمزوری ثابت نہ کی جائے۔ زید و بکر کا قول کوئی سند نہیں۔ ہاں ایک مدعی اپنے دلائل پیش کردہ کی تائید میں انکو نقل کر سکتا ہے۔ اب جب پروفیسر صاحب مانتے ہیں۔ کہ یہ بات درست ہے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح کی غرض حاصل ہو گئی۔ اور پروفیسر صاحب کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ انھوں نے ان لوگوں کے اقوال کو بطور سند کے پیش نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے پس انھوں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی جرح کو صحیح تسلیم کر کے اور ایک خلاف واقعہ بیان کی پناہ تلاش کر کے ہر ایک عقلمند کی نظر میں دوسرے لفظوں میں اپنی غلطی کا اقرار کیا ہے ۔

اب میں ان دلائل کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جنہیں حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ مسٹر خدا بخش۔ امیر علی یوسف علی۔ مظہر الحق اسلام کے نمائندے نہیں قرار دئے جا سکتے۔ ان میں سے ۹ امور کے جواب میں تو پروفیسر صاحب خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ اور صرف ۶ کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر افسوس کہ وہ بھی بے سود۔ مگر پیشتر اسکے کہ ان چھ امور کے جوابات کی حقیقت کو ظاہر کیا جائے۔ ہمیں ان ۹ امور پر ایک سرسری نظر ڈالنی چاہیئے۔ جن کا جواب دینے سے پروفیسر صاحب عاجز رہ گئے ہیں۔ تا معلوم ہو۔ کہ ان امور کا جواب نہ دینے سے کیا بات ظاہر ہوتی ہے۔ ان امور پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پروفیسر صاحب ان چار آدمیوں میں سے جن کے اقوال حجت کے طور پر انھوں نے پیش کئے تھے۔ ایک کو بھی اسلام کا نمائندہ ثابت نہیں کر سکے۔ اور نہ یہ ثابت کر سکے ہیں کہ ان کا قول اہل اسلام کیلئے حجت ہو سکتا ہے۔ مثلاً حضرت خلیفۃ المسیح نے امر ۳ میں یہ ظاہر کیا تھا کہ خود پروفیسر صاحب کے پیش کردہ اصول کے مطابق ان چاروں آدمیوں میں سے جن کے اقوال پروفیسر صاحب نے بطور سند پیش کئے تھے۔ کوئی بھی پورا نہیں اترتا ۔

اسکے جواب میں صرف ایک کے متعلق پروفیسر صاحب نے جتنی ان سے ہو سکی ہے۔ کوشش کی ہے۔ مگر باقی تین کے متعلق کوئی جواب نہیں دے سکے۔ جس سے صاف ظاہر ہوا۔ کہ وہ کم از کم باقی تین گواہوں کی شہادت کو خود اپنے معیار کے مطابق بھی باوقعت اور قابل سماعت ثابت کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں۔ باقی رہا ایک۔ سو باقی امور کا جواب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اسکو بھی اسلام کا نمائندہ اور ایک قابل حجت گواہ ثابت نہیں کر سکے۔ کیونکہ مثلاً امر ۱۳ میں حضرت خلیفۃ المسیح نے ان سے جب پوچھا۔ کہ جب مسٹر تلک۔ پنڈت درگا دتا جوشی اور راؤ بہادر دیوراؤ نائک صاحب جیسے ویدک دھرم کے پیرؤوں کے اقوال صرف اسلئے حجت نہیں ہو سکتے کہ وہ آریہ سماجی نہیں۔ تو پھر مسٹر امیر علی وغیرہ کے اقوال کس طرح حجت ہو سکتے ہیں۔ جبکہ اسلام میں بھی کئی فرقے ہیں۔ اس کا جواب پروفیسر صاحب نے کوئی نہیں دیا۔ بلکہ آگے جا کر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسٹر امیر علی قرآن شریف کو خدا کا کلام نہیں مانتے۔ اسی طرح گویا امر ۱۴ مذکورہ بالا سے بھی مسٹر امیر علی کی حیثیت گرا کر حضرت خلیفۃ المسیح کی اس دلیل کو اور بھی مضبوط کر دیا ہے۔ کیونکہ جب پروفیسر صاحب کے نزدیک ایک مذہب کی الہامی کتاب کو ماننے والے کا قول بھی حجت نہیں۔ تو الہامی کتاب کو نہ ماننے والے کا قول پروفیسر صاحب کے نزدیک بدرجہ اولیٰ

ناقابل حجت ہونا چاہیئے ؛

ایسا ہی حضرت خلیفۃ المسیح نے امور ۱۱ و ۱۲ میں تحریر فرمایا کہ رائے اسی شخص کی حجت ہو سکتی ہے۔ جو کسی مذہب کا بانی ہو یا کسی جماعت نے خود اسے اپنا نمائندہ تسلیم کیا ہو یا اس کی رائے ظاہر کرنے کے بعد سب نے اس کے صحیح ہونے کی تصدیق کی ہو۔ اور کسی جماعت کا نمائندہ ہونے کی صورت میں بھی اس کی رائے صرف اس جماعت کے لئے حجت ہو سکتی ہے نہ کہ تمام کے لئے ؛

ان امور کا بھی پروفیسر صاحب جواب نہیں دے سکے۔ گویا بزبان حال تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ان کے چاروں گواہوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں۔ کہ اس کو اسلام کا نمائندہ قرار دیا جائے اور اس کے قول کو بطور حجت پیش کیا جا سکے ؛

پھر ۲۰ میں حضرت خلیفۃ المسیح نے مسلم لیڈر کی تعیین اور تشخیص کے لئے ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ مسلم لیڈر تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب کوئی جماعت ایسی موجود ہو۔ جو اپنے آپ کو اس کی رائے سے متفق ظاہر کرتی ہو۔ یا کم از کم اسکو مذہبی طور پر کوئی رتبہ دیتی ہو۔ مثلاً مذہبی مسائل میں اس کی رائے کو وقعت دیتی ہو۔ اس سے مذہبی امور میں مشورہ لیتی ہو۔ اس قاعدہ کو بھی پروفیسر صاحب غلط ثابت نہیں کر سکے۔ گویا دوسرے لفظوں میں صحیح اور لاجواب تسلیم کیا ہے۔ اور بزبان حال اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ واقعہ میں ان کے چاروں گواہوں میں سے کوئی بھی مسلم لیڈر نہیں کہلا سکتا۔ اور جب مسلم لیڈر ثابت نہ ہوئے۔ تو ان کے قول سے کوئی مسئلہ بقول پروفیسر صاحب کمزور کس طرح ثابت ہو سکتا ہے ؛

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح نے نمبر ۴ میں تحریر فرمایا تھا کہ نمائندہ دوسروں کے تسلیم کرنے سے ہوتا ہے۔ اس کا جواب بھی پروفیسر صاحب کچھ نہیں دے سکے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ یہ قاعدہ پروفیسر صاحب کے نزدیک درست بلکہ ناقابل جواب ہے۔ اور پروفیسر صاحب کا پھر بزبان حال یہی اقرار ہے۔ کہ ان کے چاروں گواہوں میں سے کوئی بھی حتٰی کہ مسٹر امیر علی بھی اسلام کا نمائندہ نہیں کہلا سکتا۔

پھر نمبر ۷ میں حضرت خلیفۃ المسیح نے پروفیسر صاحب کی توجہ اس امر کی طرف پھیری ہے۔ کہ نمائندہ تسلیم کرنا تو کجا مسلمان ہمیشہ ان عقائد کے خلاف رہے ہیں۔ جو پروفیسر صاحب نے اپنے گواہوں کے منہ میں ڈالے ہیں۔ اور اب بھی مخالف ہیں۔ پھر پروفیسر صاحب کس طرح ان لوگوں کو اسلام کا نمائندہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کا بھی پروفیسر صاحب کے پاس کوئی جواب نہیں ؛

پھر نمبر ۸ میں فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان گذشتہ تیس سال میں ہمیشہ ان مضامین کی تردید کرتے رہے ہیں۔ یہی ان لوگوں کی نمائندگی کا رد ہے۔ اس کا جواب بھی پروفیسر صاحب سے کچھ نہیں بن پڑا ؛

غرض ان امور کے جواب میں پروفیسر صاحب کا ساکت رہنا اس امر کی دلیل ناطق ہے۔ کہ وہ اپنے چاروں گواہوں میں سے کسی کو بھی حتٰی کہ اپنے مایۂ ناز مسٹر امیر علی کو بھی مسلمانوں کا مسلمہ لیڈر اور نمائندہ ثابت نہیں کر سکے۔ اسلئے جو وقعت وہ ان کے اقوال کو اس بنا پر دینا چاہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے مسلمہ لیڈر اور نمائندے ہیں وہ سب خاک میں مل گئی ؛

شاید ناظرین خیال کریں کہ اگرچہ ان امور کا جواب پروفیسر صاحب سے نہیں بن پڑا۔ مگر جن باقی ۶ امور کا جواب انھوں نے دیا ہے۔ اس میں انھوں نے یہ بات ثابت کر دی ہو۔ کہ واقعی میسرز خدا بخش۔ مظہر حق۔ امیر علی و یوسف علی مسلمانوں کے مسلمہ لیڈر اور نمائندے ہیں اور اسلئے ان کے اقرار سے واقعی اسلام کے بعض مسائل کی کمزوری ماننی پڑتی ہے۔ مگر ناظرین انشاء اللہ تم اگلے نمبر میں دیکھ لینگے۔ کہ جیسا انھوں نے اکثر امور کے جواب میں ساکت رہ کر بزبان حال یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ میسرز خدا بخش وغیرہ اسلام کے مسلمہ لیڈر و نمائندے قرار نہیں دئے جا سکتے۔ ایسا ہی بعض امور کا جواب دیکر بھی یہی ثابت کیا ہے۔ کہ یہ لوگ واقعہ میں اسلام کے مسلمہ لیڈر و نمائندے نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کا بولنا انکی خاموشی سے ان کے حق میں زیادہ مضر ثابت ہوا ہے کیونکہ باوجود کوشش کے جواب نہ بن پڑنے سے ہر ایک پڑھنے والے کو اور بھی اس امر کا یقین ہوتا ہے۔ کہ واقعی پروفیسر صاحب کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ جس سے میسرز خدا بخش وغیرہ کی نمائندگی ثابت ہو۔ کسی نے سچ کہا ہے:

عذر نامعقول ثابت میکند الزام را

پرنس آف ویلز کی پنجاب میں تشریف آوری

حضور پرنس آف ویلز جو سیاحت ہند کیلئے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ماہ فروری ۱۹۲۲ء میں پنجاب میں تشریف لائینگے۔ اور لاہور امرتسر میں ان کا پروگرام حسب ذیل ہوگا۔

ہفتہ ۲۵ فروری۔ بعد دوپہر ہیلکے مد لاہور ریلوے اسٹیشن پنجاب کے راجگان۔ ممتاز افسران اور پراونشل ری سپشن کمیٹی کے ممبران کی طرف سے گورنمنٹ ہوس کے میدان میں استقبال میدان میں ہز ایکسیلنسی گورنر کی طرف سے بعد دوپہر ایٹ ہوم (دعوت) ہوگی۔ شام کو گورنمنٹ ہوس میں ڈنر اور مختصر ساناچ ہوگا۔

اتوار ۲۶ فروری۔ صبح گرجا۔ بعد دوپہر فراغت۔ شام گورنمنٹ ہوس میں کھانا۔

پیر ۲۷ فروری۔ صبح ایچیسن کالج کا بے ضابطہ معائنہ۔ کیرج اینڈ ویگن ورکس مغل پورہ کا بے ضابطہ معائنہ۔ ایوان کونسل میں پنجاب کونسل کی طرف سے خیر مقدم کی تقریر۔

بعد دوپہر پولو۔ پولو گراونڈ میں پنجاب جمخانہ ایسوسی ایشن کی طرف سے ایٹ ہوم۔

شام۔ آرمی مینشنز میں گیریسن کے فیلڈ افسران کی طرف سے ڈنر اور اس کے بعد سپنسر تھیٹر میں فوجیوں کا نغمہ۔

منگل ۲۸ فروری۔ صبح۔ شکاری کتوں کا اجتماع و چھاونی لاہور میں فوجوں اور فوجی پنشنروں کا بے ضابطہ معائنہ۔ شام گورنمنٹ ہوس میں کھانا اور مختصر ناچ۔

بدھ۔ یکم مارچ۔ صبح۔ بذریعہ موٹر خالصہ کالج امرتسر کا معائنہ۔ روانگی سے قبل گورنمنٹ ہوس کے میدان میں پولیس کی پریڈ دیکھیں گے۔ بعد دوپہر پنجاب کونسل کی شالامار باغ میں گارڈن پارٹی۔ شام خاموش ڈنر اور پرائیویٹ روانگی ؛

نوٹ:۔ ہز رائل ہائینس کی سیاحت لاہور میں کالجوں کی باہمی میوانکس اور لوگوں کا میلہ بھی منعقد ہوگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے سالانہ جلسہ پر پرنس آف ویلز کو جو تبلیغی تحفہ پیش کرنے کی تجویز فرمائی ہے۔ اس کیلئے بہت کم عرصہ رہ گیا ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ ایک آنہ فی کس کے حساب ... اس فنڈ کیلئے بہت جلد [illegible] ؛

خطبہ جمعہ

اپنی زندگیوں کو زندہ بناؤ

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۱ء

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

بسبب نزلہ اور کھانسی چونکہ حلق میں تکلیف ہے۔ اس لئے آج میں کچھ زیادہ بات کرنا نہیں چاہتا۔ مگر مختصر الفاظ میں ایک امر کی طرف اپنے دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں میں نے اس کے متعلق پہلے بھی بتایا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے۔ کہ میں اب تک لوگوں میں ایسی روح نہیں دیکھتا جس سے معلوم ہو سکے۔ کہ انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا ہے۔ اور اگر سمجھ لیا ہے تو عمل کرنے کی طرف توجہ کی ہے۔

صرف صداقت کا اقرار کافی نہیں

وہ بات یہ ہے۔ کہ صرف کسی طریق کو اختیار کر لینا کسی مقصد کا پا لینا نہیں ہوتا۔ کسی طریق کے اختیار کرنے کے صرف یہ معنے ہوا کرتے ہیں۔ کہ ایک صداقت کا انسان اقرار کر لے۔ مگر صرف صداقت کا اقرار کافی نہیں ہوتا۔ صداقتیں دنیا میں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن صرف ان کے اقرار سے کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ اور نہ صرف صداقت کا اقرار کر لینے سے دنیا میں ایسی روح پیدا ہو سکتی ہے۔ جو کسی تغیر کا موجب ہو سکے بہت لوگ ہیں جو عیسائیت کو سچا مانتے ہیں۔ مگر باوجود ان کے عیسائیت کو سچا ماننے کے۔ ہندوؤں کے ہندو مذہب کو سچا ماننے کے مسلمانوں کے اسلام کو سچا ماننے کے ان کی زندگیاں بچپن سے لیکر موت تک کوئی ایسی حرکت نہیں پیدا کر سکتیں۔ جسے دائمی حرکت کہا جا سکے۔ کروڑوں بچے ہندوؤں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اور مر جاتے ہیں۔ ان کے پیدا ہونے سے نام کے طور پر عیسائیوں۔ ہندوؤں یا مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہو تو ہو۔ مگر ان کی وجہ سے جس مذہب میں وہ پیدا ہوتے ہیں۔ اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وجہ یہ کہ ان کے کسی مذہب کو ماننے کا اقرار اسی حد تک ختم ہو جاتا ہے۔ کہ ہم مانتے ہیں۔ کہ یہ سچائی ہے لیکن اس طرح مان لینے پر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان پر کیا ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ اور نہ یہ جانتے ہیں کہ وہ سچائی جسے انہوں نے مانا ہے۔ دنیا کے لئے کیسی مفید ہو سکتی ہے۔ اور کیسے نیک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ اس سچائی کو مان کر وہ اپنا ایسا طرز عمل قرار دیں کہ جس سے معلوم ہو سکے کہ ان کا مدعا اور مقصد کیا ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کرتے۔

انفرادی اعمال مقصد سے نہیں روکتے

ان کا ایمان ایسا انفرادی رنگ کا ہوتا ہے۔ جیسا چلتے چلتے راستہ میں کسی کو پیاس لگے اور وہ پانی پی لے۔ اس کے پانی پینے سے اس مقصد اور مدعا پر جسکے لئے وہ گھر سے نکلا ہو کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یا اس طرح کہ سفر پر جاتے ہوئے رستہ میں کوئی پھل فروخت ہو رہا ہو۔ اسے خرید لے۔ اس کا اثر اس کے رستہ چلنے اور گھر سے نکلنے پر نہیں پڑیگا۔ کیونکہ جو شخص کوئی مقصد قرار دیکر گھر سے نکلتا ہے۔ اسکی ساری کوشش اسی کے لئے ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو اگر راستہ چلتے کوئی ایسی چیز بھی مل جائے جس کی اسے ضرورت ہو۔ اور جسے وہ خریدنا چاہے۔ تو بھی اصل مقصد اور مدعا کے حاصل کرنے میں دیر ہو جانے کی وجہ سے وہ کہتا ہے۔ چلو آتے وقت خرید لینگے۔ غرض رستہ چلنے والا راستہ میں جو عمل کرتا ہے کسی سے بات کرتا ہے۔ کسی سے ملتا ہے۔ کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ ہر وقت اس کے سامنے وہی بات رہتی ہے جسکے لئے وہ گھر سے نکلتا ہے۔ اور وہ اس کا مقصد اور مدعا ہو جاتی ہے۔ اور جو انفرادی اعمال ہوتے ہیں ان کا اس پر اثر نہیں پڑتا۔

مقصد قرار دینے والوں کی حیثیت

جو لوگ اپنا کوئی مقصد قرار دے لیتے ہیں۔ ان کی اور حیثیت ہوتی ہے۔ اور جو نہیں قرار دیتے ان کی اور۔ اسلام میں پیدا ہو کر اس کو سچا ماننے والے۔ عیسائیت میں پیدا ہو کر عیسائیت کو سچی ماننے والے ہندوؤں میں پیدا ہو کر ہندو مذہب کو سچا ماننے والے جو اپنے اپنے مذہب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے۔ وہ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو اپنا مقصد اور مدعا مذہب کو قرار نہیں دیتے۔ اور جو لوگ مقصد قرار دے لیتے ہیں۔ اور سمجھ لیتے ہیں کہ انہیں اپنے مذہب کے ذریعہ دنیا میں صداقت قائم کرنی ہے۔ وہ ساری زندگی اسی میں لگا دیتے ہیں۔ اور ہر کام جو وہ کرتے ہیں۔ اس میں ان کے مدنظر یہی بات ہوتی ہے

احمدیت کو اپنا مقصد قرار دینے والے کی حالت

اب دیکھو ایک احمدی ہے یعنی ایسا شخص جس کے سامنے دلائل پیش کئے گئے اس نے سمجھے اور مان لئے۔ اور وہ احمدی بن گیا۔ اب اگر اس کے احمدیت کے اقرار کو زبان سے ہٹا دیا جائے اسکے یقین کو دل سے نکال دیا جائے۔ اور صداقت کے خیال کو دماغ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تو وہ ویسے کا ویسا ہی رہ جائیگا جیسا کہ پہلے تھا۔ کیونکہ احمدیت کا اس پر کوئی اثر نہ تھا۔ اور اس نے احمدیت کو اپنا مقصد اور مدعا قرار نہ دیا۔

مذہب کو مقصد قرار دینے والے کی حالت

لیکن جو مذہب کو اپنا مدعا اور مقصد قرار دے لیتا ہے۔ وہ صداقت کو قبول کرنے پر ہی بس نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی کئی اور باتیں بھی دریافت کرنے لگ جاتا ہے۔ مثلاً وہ پوچھیگا کہ جو تعلیم میں نے مانی ہے۔ اس کا اثر انسان کی زندگی پر اس زمانہ میں یا مرنے کے بعد کیا پڑتا ہے۔ پھر یہ کہ اس کا اثر انفرادی . . . . طور پر کیا پڑیگا۔ اور عام طور پر کیا۔ پھر یہ کہ آیا ممکن ہے۔ کہ میں اس سچائی کو اختیار کروں اور مجھ پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی ہو۔ یا یہ کہ میرا ماننا اور نہ ماننا برابر ہے۔ یا اس میں کچھ فرق ہے۔ میری نہ ماننے کی حالت اور ماننے کی حالت یکساں ہونی چاہئیے۔ یا اس میں کوئی فرق ہونا چاہئیے۔ یہ ایک سلسلہ سوالات شروع ہو جائیگا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ سمجھ لیگا۔ کہ اس پر دو قسم کے فرض عاید ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ چونکہ وہ سب سے ضروری چیز ہے۔ جو اس نے اختیار کی ہے۔ اور دنیا میں جو کام بھی وہ کرتا ہے۔ علم پڑھتا ہے۔ ملازمت کرتا ہے۔ یا کوئی اور کام کرتا ہے۔ اس سے جو فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ اس سے پہنچتے ہیں۔ اور اسے ترک کرنے سے باقی تمام چیزوں کے ترک کرنے سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اور اس پر اس کی ساری زندگی کا مدار ہے۔ یہی اس کا مقصد اور مدعا ہے۔ اس صورت میں جو بھی کام وہ کریگا۔ اس میں دیکھ لیگا۔ کہ اس سے اس کے

مذہب اور اسکی قبول کردہ صداقت پر تو کوئی الٹا اثر نہیں پڑتا۔ میرے تعلقات اور معاملات تو اس حد کو صدمہ نہیں پہنچاتے جس کو میں نے ساری چیزوں سے مقدم رکھا ہے۔ جب وہ اس بات کو سوچیگا۔ اور اس کے نزدیک احمدیت تمام چیزوں سے پیاری چیز ہوگی۔ تو وہ ہر بات کے متعلق آسانی فیصلہ کرسکیگا۔ کہ اس میں وہ شامل ہو سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اگر اسمیں شامل ہونے یا اسے اختیار کرنے سے احمدیت پر برا اثر پڑیگا تو وہ اختیار نہیں کریگا۔ اور اگر اس سے احمدیت کو فائدہ پہنچیگا۔ تو اختیار کرلیگا۔

ایک انسان کا اثر دوسرے پر

اور جب اس کی یہ حالت ہوگی۔ تو وہ سمجھیگا۔ کہ میں دنیا سے علیحدہ کوئی وجود نہیں ہوں۔ بلکہ ہر انسان کا اثر مجھ پر پڑ رہا ہے۔ اور ہر تغیر کا مجھ پر اثر ہو رہا ہے۔ جس طرح چاند سورج ستاروں کا اثر اس تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کا اثر بھی پہنچتا ہے۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی کہدے۔ امریکہ یا یورپ یا چین یا جاپان کا یہ خیال ہے۔ مجھے اس سے کیا تعلق کیونکہ کوئی عقیدہ اور کوئی خیال ایسا نہیں۔ جو پیدا ہوا ہو۔ اور پھر اپنی جگہ پر ہی رہا ہو۔ اس کا اثر ساری دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ اور اگر ایسی بات عقل صحیح کا مقابلہ نہیں کرتی تو خواہ چھوٹی بھی ہو۔ تو بھی دنیا میں اثر کرتی ہے۔ دیکھو یورپ میں جو خیالات پیدا ہوئے۔ ان سے ہندوستانیوں کو کیا تعلق۔ مگر اب حالت یہ ہوگئی ہے۔ کہ ہندوستانیوں کو اپنے ملک میں کوئی دانا نظر ہی نہیں آتا۔ سیاسی باتوں کو جانے دو۔ کیونکہ یہ محدود حلقہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور اپنے فوائد کی وجہ سے اختیار کی جاتی ہیں۔ ایک ہندوستان کا رہنے والا اپنے فوائد کی وجہ سے مسٹر گاندھی کے پیچھے چلے تو چلے۔ علمی رنگ میں اور دانائی و عقلمندی کی خاطر پیچھے نہیں چل رہا۔ اس لئے یہی کہا جاسکتا ہے۔ کہ مسٹر گاندھی کے پیچھے ہندوستانی چل رہا ہے۔ آدمی نہیں چل رہا۔ کیونکہ اگر آدمی چلتے۔ تو یورپ والے بھی پیروی اختیار کرتے۔ کیونکہ وہ بھی آدمی ہیں۔ لیکن چونکہ وہ اپنے فوائد مسٹر گاندھی کے پیچھے چلنے میں نہیں سمجھتے۔ اس لئے نہیں چلتے۔ تو سیاسی خیالات ایک محدود طبقہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ مگر علمی باتوں کا اثر بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ جرمنوں سے تعلق نہیں رکھتیں۔ مگر وہ ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ ان کا تعلق فرانسیسیوں سے نہیں ہوتا۔ مگر وہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی طرح اور لوگ ان کو تسلیم کرتے اور ان سے موثر ہوتے ہیں۔ یہی لالہ لاجپت رائے جو آریہ سماج سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہدیا تھا۔ کہ یورپ کے عقلمند ویدوں کے رشیوں منیوں سے کم نہ تھے۔ اتنی عداوت کے باوجود جو یورپ کے لوگوں کے متعلق یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں۔ لالہ لاجپت رائے یہ کہنے پر مجبور ہی ہوگئے۔ اور ان کی فضیلت کا اقرار نہیں کرسکے۔ وجہ یہ کہ یہ علمی بات ہے جو وسیع سوال ہے۔ اور ایسا سوال آدمیت سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ ملکوں سے۔ اور سارے انسانی دماغوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پس یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ یہ یورپ کا خیال ہے۔ یا جاپان کا خیال ہے۔ یا امریکہ کا خیال ہے اس سے ہمیں کیا غرض۔ میں نے صداقت کو قبول کرلیا ہے اور اتنا ہی میرے لئے کافی ہے۔ کیونکہ وہ خیال اگر ایسے لوگوں میں پیدا ہوا ہے۔ جن میں جوش ہے اور وہ عقلی بات ہے۔ تو بہت لوگ اس کے اثر میں آجائینگے۔ اور انہیں حق لگ جائیگا۔

جو بدی مٹائی نہ جائے پھیلتی ہے

اور آج جو نور ہم نے اپنے گھروں میں داخل کیا ہے بعد میں آنے والے ممکن نہیں بلکہ اغلب ہے۔ کہ اسے اپنے گھروں سے نکال دیں۔ کیونکہ جب کسی بدی کو مٹایا نہیں جاتا۔ تو وہ پھیلتی ہے۔ مثلاً بیماریاں ہی ہیں۔ جب تک ان کا مقابلہ نہیں کیا جاتا۔ پھیلتی جاتی ہیں۔ یا جب تک خدا ہی ان کی تباہی کے اسباب نہ کرے۔ بڑھتی جاتی ہیں۔ نیچر کا قانون ہے۔ کہ ایک وقت تک ایک چیز اپنا جوش دکھا کر ٹھنڈی پڑنے لگ جاتی ہے۔ طاعون کے متعلق ہی دیکھ لو۔ انگریزوں نے تو بڑی بڑی کوششوں کے بعد یہی نکالا۔ کہ جس کو طاعون ہو جائے۔ وہ یہ علاج کرے۔ یا اس کے لئے یہ احتیاط کی جائے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اسکو ٹھنڈا کردیا۔ کہ اب پہلے کی طرح اس کے حملے نہ ہوں۔

تو وسیع اثر کرنے والی باتیں اور چیزیں اس طرح بھی دب جاتی ہیں۔ لیکن ایک اگر دب جائے۔ تو دوسری نکل آتی ہے۔ دوسری کے ٹھنڈے پڑنے پر تیسری۔ اور جب تک صداقت کو نہ پھیلا دیا جائے۔ یہ خطرہ لگا ہی رہتا ہے۔

احمدیت کو مقصد بنانے والے کی حالت

پس جب انسان یہ سمجھ لے۔ کہ وہ دنیا میں اکیلا نہیں بلکہ اور لوگ بھی ہیں۔ اور جب یہ سمجھ لے۔ کہ اگر وہ آبادی سے الگ تھلگ کسی جنگل اور قلعہ میں بھی ہو۔ تو بھی دوسروں کے خیالات کے اثر سے بچ نہیں سکتا۔ اور اگر وہ موثر نہ ہو۔ تو اس کی اولاد یا اولاد کی اولاد متاثر ہو جائیگی۔ پھر جب وہ یہ بھی سمجھیگا۔ کہ جو صداقت اس نے قبول کی ہے۔ راحت و آرام حاصل کرنے کا وہی ذریعہ ہے۔ تب وہ اس بات کو اپنا مقصد اور مدعا قرار دے لیگا۔ کہ جب تک دوسرے خیالات مٹا کر وہی خیالات جو میں نے قبول کئے ہیں۔ نہ پھیلاؤں۔ صبر نہ کرونگا۔ ایک ایسے انسان کی زندگی میں اور اس انسان کی زندگی میں جس کو اس بات کا احساس نہیں ہوگا بہت بڑا فرق ہوگا۔ وہ جس نے احمدیت کو سچا مان کر صرف قبول کیا۔ اور اسے اپنا مقصد اور مدعا نہ قرار دیا اس کی زندگی ایسی ہی ہوگی جیسے زمینداروں کی لیکن دوسرا جس نے احمدیت کو قبول کیا۔ اور اس نے سمجھا کہ یہ بہترین سے بہترین چیز ہے۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی آجائے۔ اس کی وہ کوئی پروا نہیں کریگا۔ اور وہ اس کے لئے قطعاً مفید اور فائدہ بخش نہیں ہوگی۔

حقیقی زندگی

اور اس کے ساتھ ہی جب وہ یہ سمجھیگا کہ اور لوگوں کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں۔ کہ جب تک اسے روکا نہ جائے۔ بڑھتی ہے۔ جب ان باتوں پر غور کریگا۔ تو اس کی زندگی ایک عام زمیندار کی زندگی کی طرح نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی زندگی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سی زندگی ہوگی اور حقیقت میں وہ زندہ ہوگا۔ ایک زمیندار اور ایک تاجر بھی زندہ ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسے ہی زندہ ہوتے ہیں جیسے بھیڑ بکری۔ جیسے وہ کھانا کھاتی اور پانی پیتی ہے اسی طرح کھانا کھاتے اور پانی پیتے ہیں۔ جس طرح وہ گھاس تلاش کرتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی اپنی خوراک تلاش کرتے ہیں۔ یہ کوئی روحانی زندگی نہیں ہوتی۔ روحانی زندگی ایک الگ زندگی ہوتی ہے۔ اس میں یہی نہیں ہوتا۔ کہ

انسان کھانا پیتا پہنتا ہے۔ بلکہ ان سے بالا چیز حاصل کرتا ہے۔ اور پھر اس سے بالا یہ ہوتا ہے۔ کہ دوسروں تک اس چیز کو پہنچاتا ہے۔ اور ایسے ہی لوگ واقع میں زندہ ہوتے ہیں۔ جن کے آگے دوسرے مردوں کی طرح جا پڑتے ہیں۔

رسول کریم کی زندگی اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی ہی زندگی حاصل نہ تھی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ابوبکرؓ۔ عمرؓ کو جس طرح کہتے اسی طرح وہ کرتے۔ کیا ان میں ظاہری زندگی نہ تھی۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی تھا۔ جو عمرؓ کی گردن اپنے آگے جھکا سکتا ہو۔ مگر آپ اگر ان کو موت میں بھی ڈالتے تو جاتے اور ذرا حیل وحجت نہ کرتے۔ ان کی مثال ایسی ہی تھی۔ جیسے تنور والے کے ہاتھ میں لکڑیاں ہوتی ہیں۔ جو انہیں تنور میں ڈالتا جاتا ہے۔ اور وہ کچھ نہیں کرسکتیں۔ کیونکہ وہ مردہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح ابوبکرؓ عمرؓ جو کھنچی ہوئی تلوار تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں لکڑیاں بن گئے تھے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رسول کریم روحانی زندہ تھے۔ اور وہ مردہ تھے۔ اور مردہ چیز زندہ کے ہاتھ میں بولا نہیں کرتی۔ زندہ جس طرح چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ کرتا ہے۔

تغیرات روحانی زندگی سے پیدا ہوتے ہیں پس یہ روحانی زندگی ہوتی ہے۔ جو دنیا میں تغیر پیدا کرتی ہے۔ اور یہ انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ جو اپنی زندگی کا مقصد اور مدعا مذہب کو قرار دے لیتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کا عدم وجود برابر ہوتا ہے۔ وہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جو اس بات کو اپنا مقصد نہیں بناتے۔ وہ کھانے پینے کو اپنا مقصد اور مدعا سمجھتے ہیں۔ اور دین کو ایک ضمنی بات۔ مثلاً ایک زمیندار ہے۔ وہ اپنا کام یہی سمجھیگا کہ کھاؤں پیوں۔ ہاں ساتھ کوئی مذہب بھی اختیار کرلو۔ اس کا مذہب اختیار کرنا ایسا ہی ہوگا۔ جیسے کچہری جاتے ہوئے کسی جگہ سے پانی پی لیتا ہے۔ یا کوئی میوہ کھا لیتا ہے۔ کوئی اس حالت میں اسے دیکھے اور کہے۔ یہ کچہری نہیں جارہا۔ بلکہ یہی کام کرنے آیا ہے۔ تو اس کی غلطی ہوگی۔ اور اس کا پتہ ابھی لگ جاتا ہے جبکہ پانی پینے میں اسے دیر لگ جائے۔ اور ادھر کچہری سے آواز آئے کہ فتح محمد ہے۔ تو وہ پانی پینا چھوڑ دیگا۔ اور یہ درمیانی چیز قربان کرکے ادھر بھاگ پڑیگا۔

مذہب کو ضمنی بات سمجھنے والے تو بالعموم ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ جن کا مقصد اور مدعا دنیاوی چیزیں ہوتی ہیں۔ اور مذہب کو وہ اسی طرح ایک درمیانی اور ضمنی چیز سمجھتے ہیں۔ جس طرح کوئی کچہری جاتے ہوئے پانی پی لیتا ہے۔ میوہ کھا لیتا ہے۔ یا کوئی چیز خرید لیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ اس کا اصل کام یہی تھا۔ بلکہ یہ کہ اسے کچہری کے کام سے فرصت مل گئی۔ تو اس نے اس کام کو کرلیا۔ ان لوگوں کا مذہب کے متعلق یہی حال ہوتا ہے۔ کہ زمینداری سے یا اور دنیاوی کام سے فرصت مل گئی۔ تو ظہر وعصر کی نماز پڑھ لی۔ یا نماز پڑھنے سے ان کے کام میں کوئی حرج نہ ہوا۔ تو پڑھ لی۔ لیکن اگر کوئی کام ہو۔ اور اس کو چھوڑنا پڑے۔ تو پھر نہیں پڑھینگے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد زمینداری یا اور کوئی دنیاوی کام ہے۔ کیونکہ اس پر وہ دین کے کام کو قربان کردیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ اپنا مقصد مذہب کو قرار دیتا۔ تو اس کے الٹ کرتا۔ جب وہ اپنا مقصد مذہب کو سمجھ لیگا۔ تو پھر ایسا ہوگا۔ کہ جس طرح کچہری کی طرف سے آواز آنے پر مٹھائی خریدنا چھوڑ کر ادھر بھاگ پڑتا ہے۔ اسی طرح جب دین کی طرف سے آواز آئے۔ تو سب کچھ چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو جائیگا۔

مذہب کو مقصد بنانے والے کا فرض اور پھر یہ نہیں ہوگا۔ کہ وہ مذہب کو اپنا مقصد بنائے نماز پڑھے۔ روزے رکھے۔ حج کرے۔ زکوۃ دے۔ مگر پھر بھی اس کی بیوی اور رشتہ داروں کو پتہ نہ ہو۔ کہ اس کا کیا مذہب ہے۔ بلکہ وہ زندہ کی طرح ہوگا۔ اور کہیگا۔ کہ مجھے خطرہ ہے۔ کہ اگر میں نے اپنی بیوی۔ اپنے رشتہ داروں اور اپنے قریب رہنے والوں کو دین نہ سکھایا۔ تو یہ میری اولاد پر ڈاکہ ڈالیں گے۔ اور اس کو تباہ کردیں گے۔ اس صورت میں اس کی اور زندگی ہوگی۔ یہ زندہ نظر آئیگا اور دوسرے اس کے سامنے زندہ مردہ ہونگے۔ اور جس طرح وہ چاہیگا۔ ان کو سکھائیگا۔

زندہ بنو یہ بات ہے جس کی طرف میں نے پہلے بھی آپ لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔ اور اب بھی دلاتا ہوں۔ کہ اپنی زندگیوں کو زندہ بناؤ۔ اور مذہب قبول کرکے دیکھو۔ کہ اسے تم نے اپنا مقصد بنایا ہے۔ یا دنیا کی اور چیزیں تمہارا مقصد ہے۔ اگر مذہب ہے۔ تو دیکھو تم نے اس کے لئے کیا کیا قربانیاں کی ہیں۔

اگر تم اس بات کو سمجھ لو۔ تو تمہاری موجودہ زندگی خواہ تم کسی پیشہ میں ہو۔ ایک لفظ بھی نہ پڑھے ہوئے ہو۔ لوہار اور ترکھان کا کام کرتے ہو۔ تو بھی ایسی تبدیلی کرسکوگے کہ دنیا حیران رہ جائیگی۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ جب کوئی قوم کسی کام کو اپنا مقصد قرار دے لے۔ تو اسے کرکے ہی چھوڑتی ہے۔

سکھوں کا عروج وزوال سکھوں کی قوم کو ہی دیکھ لو یہ ایک جاہل قوم تھی۔ اس نے جب اپنا ایک مقصد قرار دے لیا۔ تو باوجودیکہ ان پر بڑے بڑے ظلم ہوئے۔ جیسے کہ پھر انہوں نے کئے۔ ان کے گوروؤں کے لڑکے زندہ چن دئے گئے مگر آخر کامیاب ہوگئے۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ ان سے غلطی ہوگئی۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مذہب کو اپنا مقصد قرار دیتے۔ اور دنیا کو اس کے لئے حاصل کرتے۔ انہوں نے یہ کیا کہ سمجھ لیا۔ کہ مذہب کی تب حفاظت ہو سکتی ہے۔ کہ دنیا پر حکومت ہو۔ مگر پھر وہ مذہب کو بھول گئے۔ اور حکومت ہی حکومت ان کے مدنظر رہ گئی۔ تو یہ زمیندار یا پیشہ ور لوگ تھے لوہار۔ ترکھان۔ جو حکومت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ادھر مغلوں کی حکومت تھی۔ اور ادھر انگریز۔ مگر یہ حاکم بن گئے۔ رنجیت سنگھ ایک معمولی زمیندار تھا۔ لیکن آخر بادشاہ بن گیا۔ وجہ یہ انہوں نے اپنا جو مقصد قرار دے لیا تھا۔ اس کے لئے ہر چیز کو قربان کردیا۔ حتیٰ کہ اصل چیز کو بھی بھول گئے۔ اگر وہ اپنا مقصد یہ رکھتے کہ مذہبی آزادی حاصل کرنی ہے۔ تو ایسا نہ ہوتا۔ جیسا کہ اسلام نے کیا۔ اسلام کے مقابلہ میں حکومتیں آئیں۔ کہ اسے پھیلنے نہ دینگے۔ انہیں مسلمانوں کو مٹانا پڑا۔ مگر اصل مقصد انہوں نے اپنا مذہب رکھا۔ نہ کہ حکومت

نظم

احمدؐ نبی اللہ

یہ نظم جناب مولوی محمد نواب خان صاحب ثاقب مالیر کوٹلوی نے ۲۶ دسمبر ۱۹۲۱ء سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پڑھی۔ (ایڈیٹر)

اے اولوالعزم نبی زادہ روشن اختر ۔۔۔ پور مہدیٔ زمان احمدؐ والا گوہر

پور مسعود مسیحائے مبارک محضر ۔۔۔ وارث علم خداداد نبی فضل عمر

دیر میں آپ کے دربار میں آیا ہوں

نذر کے طور پہ اک سلک گہر لایا ہوں

نظم وہ جس سے خلوص و ارادت ہو عیاں ۔۔۔ شعر وہ جس سے وفا اور محبت ہو عیاں

لفظ وہ جس سے صفا اور عقیدت ہو عیاں ۔۔۔ حرف وہ جس سے سداد اور صداقت ہو عیاں

حضرتِ حق سے دعا کرکے میں کہہ لایا ہوں

ہوں تو ناچیز و گنہگار چلا آیا ہوں

ہوں تو خادم پہ کوئی خدمت دیں کر نہ سکا ۔۔۔ جان قربان رہ دین متیں کر نہ سکا

دین کا کام ذرا شبہ نہیں کر نہ سکا ۔۔۔ حق کی تبلیغ کبھی اور کہیں کر نہ سکا

احمدیت کی اشاعت کی ذرا فکر نہ کی

ہائے ایمان سی دولت کی ذرا فکر نہ کی

جاتا لنڈن میں نہ تھی اتنی لیاقت مجھ میں ۔۔۔ کہتا اسپیچ نہ تھا حسن طلاقت مجھ میں

رہتا ووکنگ میں نہ تھی لو بے امارت مجھ میں ۔۔۔ لیڈیاں آتیں نہ تھا جذبۂ الفت مجھ میں

خواجگی ملتی تو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہوتی

احمدیت پڑی اک کونے میں مجبور ہوتی

"کہ وہی تم ہو جو احمدؐ کو نبی مانتے تھے ۔۔۔ عیسیٰ احمد مختار انھیں جانتے تھے

رنگ اور خو سے مسیحا انہیں پہچانتے تھے ۔۔۔ جو نہ مانے انہیں، کافر اُسے گردانتے تھے

سیر میں جلوہ جو اپنا وہ دکھا دیتے تھے

تم ہی قدموں کے تلے آنکھیں بچھا دیتے تھے

اب تمہیں ہو کہ پھرے خدمت اسلام سے تم ۔۔۔ چھوڑ کر علم یقیں پڑ گئے اوہام سے تم

خوف دل میں کرو اس شومی انجام سے تم ۔۔۔ کیوں پھرے جاتے ہو اس صاحب الہام سے تم

دین و ایمان سے کھویا تمہیں بدبینی نے

ذکر احمدؐ سے ہٹایا تمہیں خود بینی نے

نام ادب سے نہیں لیتے کہ محبت نہ رہی ۔۔۔ دل میں دعوی مسیحائی کی عظمت نہ رہی

ہائے تجدید کی حد تک بھی تو عزت نہ رہی ۔۔۔ احمدیت سے غرض تم کو وہ الفت نہ رہی

ضد سے یا ہٹ سے تلے بیٹھے ہو انکار پہ تم

آ گئے ہیکڑی پہ جم گئے اصرار پہ تم

تم نے اغیار کو خوش کرنے کی ٹھہرائی ہے ۔۔۔ اپنوں سے جنگ کی لڑنے کی قسم کھائی ہے

خو میں شوخی ہے تو عادت میں خود آرائی ہے ۔۔۔ فہم میں کجروی اور عقل میں کجرائی ہے

دیکھ کر طرز تمہارے نہ پسیجے اغیار

لاکھ افسوں کئے تم نے نہ پہ ریجھے اغیار

تھا مسیحا کا یہ ارشاد کہ بیکار نہ ہو ۔۔۔ جو حکومت ہے اس حکم سے انکار نہ ہو

روٹھنے اور بگڑ جانے کا اظہار نہ ہو ۔۔۔ ترک اخلاص و موالات کی بھرمار نہ ہو

پھر کے اس حکم سے تم ہو گئے گاندھی کے مرید

فتنہ و شور و فسادات کی آندھی کے مرید

ذکر عیسےٰ محمدؐ کو جو مشکل سمجھے ۔۔۔ احمدیت کی اشاعت ہم قاتل سمجھے

ذکر حق کرنے کو جو دعویٔ باطل سمجھے ۔۔۔ نامناسب یہ بیاں کرنا جو بزدل سمجھے

اس کا انگلینڈ میں جانا نہیں دیں کی خدمت

کچھ نہ کی اس نے وہاں دین متیں کی خدمت"

حضرت سیال بھی انگلینڈ میں ہو کر آئے ۔۔۔ قاضی صاحب نے بہت وعظ وہاں فرمائے

احمدؐ پاک پہ ایمان بہت سے لائے ۔۔۔ سن کے نام احمدؐ والا کا نہیں گھبرائے

دونو صاحب گئے منصور و مظفر آئے

اپنے مقصد میں ظفر یاب برابر آئے

یار صادق بھی سنا آئے احمدؐ کا پیام ۔۔۔ اسکے دعوے پہ دلائل دیئے باحسن کلام

صاف بتلایا کہ کیا چیز ہے وحی و الہام ۔۔۔ خوب تبلیغ کی احمدؐ کا وہاں لے کر نام

لپکے پیاسے جو تھے اس چشمۂ عرفاں کی طرف

دوڑے شیدائی دین و مسلماں کی طرف

صادق القول کی باتوں کا اثر دل میں تھا ۔۔۔ بات سچی ہے کہ سچ بات کا گھر دل میں تھا

وعظ بے لاگ نہ کچھ خوف و خطر دل میں تھا ۔۔۔ ہاں اگر تھا فقط اللہ کا ڈر دل میں تھا

دل سے کہتا تھا دلوں میں وہ اثر کرتا تھا

وعظ حق کا تھا اثر قلب میں گھر کرتا تھا

کہہ کے انگلینڈ میں لیکچر گئے امریکا میں ۔۔۔ چھوڑ اس ملک کو پہنچے وہ نئی دنیا میں

محو تھے یاد خدا اور دم عیسےٰ میں ۔۔۔ دین حق کی تھی لگن ان کے دل شیدا میں

پہونچا امریکا کے ساحل پہ تن تنہا وہ

رب یکتا تھا رفیق اور ادھر یکتا وہ

جانتا تھا کہ اولوالعزم نے بھیجا ہے مجھے ۔۔۔ اہل ان ساری مہمات کا سمجھا ہے مجھے

فخر اس خدمت اسلام کا بخشا ہے مجھے ۔۔۔ میرا مولا ہے کفیل اس پہ بھروسا ہے مجھے

میں تو اس ملک سے باہر نہیں جاؤنگا کبھی

کام کرونگا تو منہ اسکو دکھاؤنگا کبھی

آئے ساحل پہ جو صادق تو اترنے نہ دیا ۔۔۔ اب کہاں ٹھیریں کہ اعدا نے ٹھہرنے نہ دیا

ادھر یں کیونکہ کہ حکومت نے ادھرنے نہ دیا ۔۔۔ بگڑے لوگ ایسے کہ حضرت کو سنورنے نہ دیا

آئی تائید خدا اور اُسی کی نصرت
کہا لبیک حکومت نے کہ اترو حضرت

اُترے ساحل پہ تو لب پر تھا مسیحا کا پیام   ذکر اعجاز مسیحا دم عیسےٰ کا پیام
اس نئے ملک میں ہاں احمدؐ والا کا پیام   کاسر و قاتل خنزیر و چلیپا کا پیام

شمس اسلام نکل آیا نئی دنیا میں
روشنی پھیل گئی دین کی امریکا میں

خواجہ صاحب کو بھی تھا جاؤ وہاں جانے کا   شوق گو دا کیا اسلام کے پھیلانے کا
وعظ اسلام کا انگریزی میں فرمانے کا   اپنے قابو میں دل ملک و جہاں لانے کا

زور بازو سے یہ دولت نہیں پا سکتے تھے
جز بتائید خدا یاں سے نہ جا سکتے تھے

زر معقول کا ملتا جو وظیفہ جاتے   ان کی امداد کا لیتا کوئی ذمہ جاتے
لے کے تنخواہ و سفرخرچ کا وعدہ جاتے   الغرض کر کے سب اسباب مہیا جاتے

جسکو مالک پہ بھروسا ہے چلا جاتا ہے
اپنے صادق کو وہ مقصود پہ پہنچاتا ہے

بھیجا نیّر کو بھی اللہ نے افریقہ میں   لے گیا جوش جنوں حبشیوں کے صحرا میں
وہ جنوں خدمت دیں کا تھا دل شیدا میں   ہند سے ہو گیا رخصت وہ اسی سودا میں

کوئی تنخواہ طلب کی نہ صلہ خدمت کا
دولت دیں کا وہ جویا تھا نہ کچھ دولت کا

نوکری چھوڑ گیا بندۂ بے زر ہو کر   ترک کی حرص و ہوا دل کا تونگر ہو کر
پہنچا بیگانوں میں وہ دین کا رہبر ہو کر   محو دیدار حق و حُب پیمبر ہو کر

دعوی عیسیٰ موعود سُنایا اُس نے
ذکر خوشگوئی محمود سُنایا اُس نے

نہ کوئی اس سے لڑا اور نہ جھگڑا کوئی   اس نے سلجھا کے کہی بات نہ الجھا کوئی
انکو مقصد سے ہٹانے کو نہ اوٹھا کوئی   رُوبرو آ کے پئے بحث نہ بیٹھا کوئی

ایک نیّر سے چمک اُٹھے ستارے صدہا
توڑ کر بُت ہوئے اللہ کے پیارے صدہا

ہو گئے پاک ہزاروں ہی خدا کے بندے   بیوفا تھے جو ہوئے مہر و وفا کے بندے
بندۂ خاص ہوئے ربِ ریا کے بندے   دل ہوئے پاک بنے صدق و صفا کے بندے

دل میں گھر کر گئی اللہ کی محبت اُن کے
پاس پھٹکی بھی نہ گویا کبھی وحشت اُن کے

کالی لیڈی سے ملاقات ہوئی نیّر کی   ہو کے حیران بہت بات یہ اُن سے پُوچھی
"ہے یہ دشوار کہ ہو جائیں مسلمان سبھی   ملک میں جتنے ہیں آباد یہاں عیسائی"

ہنس کے کہنے لگے نیّر کہ "یہ سب آساں ہے
دیکھتی جاؤ کہ ہم پر کرم یزداں ہے"

آ گیا وقت کہ اسلام ہو سب کا مذہب   غور سے دیکھو تو ہو گا یہی اچھا مذہب
اپنے برہان و دلائل سے یہ سچا مذہب   کیا مذہب ہے نہ عجب ہے مُعلّا مذہب

مہدی و عیسےٰ موعود کا مذہب ہے یہی
میرے مخدوم کا محمود کا مذہب ہے یہی"

مارشمس میں بھی مسیح موعود احمد کا غلام   نام نامی کی طرح سے ہے محمدؐ کا غلام
جوہر علم سے ہے تیغ مُہند کا غلام   نور دیں کا ہے بہت عرصہ ممتد کا غلام

لحن داؤد ہے آواز میں اُس کی پیدا
سوز ہے تار و رگ ساز میں اس کی پیدا

مولوی شیر علی شیر خدائے برتر   پیر روشن علی وہ روشنی فضل و ہنر
بحر زخار معارف وہ جناب سرور   سید اسحٰق کے دستار فضیلت سر پر

ایک سے ایک دلاور ہے جوانمرد و دلیر
سچ تو ہے ضرب مثل شیر کے ہوتے ہیں شیر"

برکتیں آپ کی ہیں اے میرے آقا ساری   کوششیں آپ کی ہیں اے میرے مولا ساری
ہمتیں آپ کی ہیں اے شہ والا ساری   دولتیں آپ کی ہیں پور مسیحا ساری

کام بے مزد لگے کرنے تمہارے اصحاب
کار بے اجر لگے دینے تمہارے احباب

آپ کی عمر میں دولت میں ترقی ہو مدام   آپ کے علم میں اور فضل میں افزایش تام
شامل حال رہے فضل خدائے منعام   آپ کے قلب منور میں ہو نور الہام

باتیں اللہ سے ہوتی رہیں درجہ ہو بلند
غیبی اسرار کھلیں آپ کا رتبہ ہو بلند

میں فقط نقد دُعا کے لئے آیا ہوں حضور   التجا ہے زر دُنیا نہیں لایا ہوں حضور
اپنے ہی نفس فسونگر کا ستایا ہوں حضور   دشمن دیں نے ہی دیوانہ بنایا ہوں حضور

دوست بنکر مجھے اس دشمن دیں نے مارا
بیٹھ کر دل میں مرے دیو لعیں نے مارا

نیکیاں کرنے کی تحریک جو آئے دل میں   اچھی صحبت کا خیال آ کے سمائے دل میں
پاک باتیں ملک غیب جو لائے دل میں   نقش ایمان کی عظمت کا بٹھائے دل میں

بنکے غماز یہ بیٹھے نئے مہمان کے پاس
چغلیاں جا کے لگا دے وہیں شیطان کے پاس

فکر ہو جاتی ہے شیطان کو بہکانے کی   وعظ کہتا ہے وہ نیکی سے مکر جانے کی
دھمکیاں دیتا ہے آفات و بلا لانے کی   دام تزویر دل زار پہ پھیلانے کی

لاکھ لاحول پڑھی جائے وہ ٹلتا ہی نہیں
دل سے یہ دیو سیاہ آ کے نکلتا ہی نہیں

سارا رونا تو ہے اس اپنے ہی بیگانے کا   کر دیا خون دل زار کا دیوانے کا
خاتمہ کیسے ہو اس درد کے افسانے کا   کیا ثمر پایا ہے اس شوخ کے یارانے کا

اپنے ہی گھر میں اگر ساعی و نمام رہیں
سمجھیں دشمن کسے ہم اور کسے شیطان کہیں

دوست ایسا بھی جہاں بھر میں نہ دیکھا نہ سنا
خانہ برباد ہے گھر میں نہ دیکھا نہ سنا
ہے دیوار میں آور در میں نہ دیکھا نہ سنا
طاق شورش میں ہے اور شر میں نہ دیکھا نہ سنا

دوست ایسا کسی دشمن کو بھی اللہ نہ دے
ایسے کو مد مسلماں کی طرف راہ نہ دے

ایسا بودار کہ زندہ بھی ہے مردار بھی ہے
ایسا بے شرم کہ دشمن بھی ہے اور یار بھی ہے
بے حیا اتنا کہ ہے دزد تو عیار بھی ہے
ہوشیار اور مے کبر سے سرشار بھی ہے

ثاقب آیا تجھے دشمن کی شکایت لے کر
چھوڑ دیجے اسے توبہ کی ہدایت دے کر

افکار گوہر

جناب ذوالفقار علی خان صاحب کی حسب ذیل نظم ۲۹ر دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء کے پہلے جلاس میں مکرمی قاسم علیخان صاحب نے خوش الحانی سے پڑھی

اے دوستو بتاؤ تو ہے یہ شعار کیا
اس سعی عمل کا ہے انجام کار کیا

آساں نہیں ہے شاہد مقصود کا وصال
دیکھو دکھا رہے ہیں یہ لیل و نہار کیا

کیا ارتقا کی تم میں تڑپ ہی نہیں رہی
بھولا ہوا ہے چال دل بیقرار کیا

غیروں کے طعنہ ہائے جگردوز و دلخراش
بھاتے نہیں ہیں آپ کو اب ناگوار کیا

اعمال صالحہ کے نہ ہوتے ہوئے بھی تم
فضل خدا کے بنتے ہو امیدوار کیا

سب اُمتوں کے سامنے روز جزا کہو
ہوگے نہ اپنے حال سے تم شرمسار کیا

منڈلا رہے ہیں چار طرف کفر و شرک و ظلم
میدان میں تم نہ آؤ گے مردانہ وار کیا

چھائی ہوئی ہے سر پہ گھٹا ہر فساد کی
اب بھی نہ ہوگے دوستو تم ہوشیار کیا

تم نے خدا کے نام پہ کچھ عہد تھے کئے
بھولے ہوئے ہیں تم کو وہ قول و قرار کیا

توڑا ہے جس نے عہد وفا دلمیں سوچ لے
میں یاد اب دلاؤں اسے بار بار کیا

عہد وفا کے ساتھ ہے انعام بھی منوط
جب عہد ہی نہیں تو پھر اب انتظار کیا

پیمان استوار تو ہے ایک بھی بہت
یوں توڑنے کے واسطے سو کیا ہزار کیا

توبہ اگر کرو تو کرو توبۃ النصوح
ان توبہ ہائے سُست کا ہے اعتبار کیا

خوف خدا کرو کہ ملے عیش جاوداں
یہ انبساط و راحت ناپائدار کیا

ایثار نفس قوت ہر اجتماع ہے
بغض و نفاق لائینگے جز انتشار کیا

غیرت ہے وہ جو غیرت دینی ہو اے عزیز
توقیر دیں نہ ہو تو ہے قومی وقار کیا

توڑو بت غرور کہ طاعت نصیب ہو
ورنہ نمود کی روش اختیار کیا

تقوی اگر ہو دل میں تو انساں ہو متقی
اعمال میں ریا ہو تو پھر افتخار کیا

اعمال خیر زینت ایماں ہیں دوستو
بھاتا نہیں ہے آپ کو یہ اب سنگھار کیا

اسلام کا یہ باغ تمہارے سپرد ہے
تازہ رکھو گے اسکے نہ تم برگ و بار کیا

مدعو کرو زمانہ کو اس سیرگاہ میں
عالم فریب اسکی نہیں ہے بہار کیا

قربانیاں کرو کہ یہ راز فلاح ہے
تم دین احمدی کے نہیں جاں نثار کیا

فتح محمدی کا ہو سہرا تمہارے سر
مانگے خدا سے اور دعا ذوالفقار کیا

نامہ صادق از امریکہ

مسیح ہندوستان میں آئے گا

کنارہ کیلیفورنیا پر ایک صاحب یہودی الاصل بنام ایڈورڈ ڈبشوو رہتے ہیں۔ جو مدعی ہیں کہ وہ یہودیوں کے موعودہ مسیح ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے دنیا میں امن اور آسودگی قائم ہونگے۔ میں نے انہیں اپنے مسیح کی آمد کی خبر دی ہے۔ وہ کتب سلسلہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان کا ایک چھوٹا رسالہ بنام سیانک سیجز نکلتا ہے۔ جس کے پرچہ ستمبر میں ان کے ایک نامہ نگار بنام سٹر رویار کا مضمون نکلا ہے۔ رویار صاحب لکھتے ہیں کہ مخفی رازوں کا دنیا پر کھولنے والا موعود حکمت اور روحانیت کے بڑے خزینے ملک ہند سے پیدا ہونیوالا ہے۔ ان کے اصل الفاظ انگریزی یہ ہیں:۔

"The Great Hierophant Shall Come from the great reservoir of Wisdom and of Spirituality: India"

خفیہ کمیٹیاں

ملک امریکہ بھی عجائبات کا مجموعہ ہے۔ یہاں خفیہ سوسائٹیاں صدہا ہیں۔ ہر ایک سوسائٹی کو گورنمنٹ سے لائسنس حاصل ہے۔ حال میں ایک نئی خفیہ سوسائٹی کے راز منکشف ہوئے ہیں۔ جس کا نام ہے کو کلکس کلین۔ اس سوسائٹی کو قائم ہوئے پانچ سال ہوئے۔ اسکے ممبر اسوقت پانچ لاکھ ہیں۔ اور ان کا بڑا مقصد یہ ہے کہ گورے لوگ کالوں پر ہمیشہ غالب رہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کالے غلامی کے واسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ بعض نیگرو لوگوں کے قتل کئے جانے کے واقعات اور فسادات اس سوسائٹی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ بعض اخبارات انکی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دفعہ بتلایا گیا تھا کہ کوئی خفیہ کمیٹی حضور کے قتل کرنے پر قادر نہ ہوگی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خفیہ کمیٹیوں کا بڑا کام یہی ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو قتل کیا کریں۔

امریکن محصول ڈاک بڑھ گیا ہے

ہندوستان سے جو خطوط امریکہ آتے ہیں۔ ان پر محصول ڈاک پہلے اڑھائی آنہ ہوتا تھا۔ اب تین آنہ ہو گیا ہے۔ مگر ہمارے دوستوں کو خبر نہیں۔ اسواسطے وہ اپنے خطوں پر ابھی تک صرف اڑھائی آنہ لگاتے ہیں۔ اور مجھے ہر خط کے واسطے

در تردیدِ بہتانِ مخالفے و اظہارِ عقیدتِ خود باشتمال ذکرِ مدیح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

از طبعِ خاکسار ابوالبرکات غلام رسول راجیکی۔ المتخلص قدسی

ببیں کہ دشمنِ بدکیش و سخت نادانے
سخن چہ گفت خدا فہم بکذب و بہتانے

چناں نمودہ بہ خبثِ دروں ز حیلہ و مکر
کہ گوئی بود مغریقِ ضلال و طغیانے

چہ ہست در دلِ دشمن۔ زبانِ درست تانج
کہ کلامِ خویش بجوید ز کذب و بطلانے

بحیرت است دلم از فریب و تزویرش
کہ دام۔ دانہ نمودہ بصیدِ نادانے

بگفت گفتنِ بدخواہ و مرجعِ کذّاب
بشکلِ انس و بکردار ہمچو شیطانے

چہ گفت در حق ہمچوں منِ غلامِ رسولؐ
بگشت از رہِ تسلیم و صدق و ایمانے

ہزار لعنت و نفریں کنم بریں سخنش
ہزار لعنتِ غم برچنیں سخن رانے

خبر نداشتہ از حالِ من۔ کہ من دگرم
من آں نیم کہ ز خود شد بخارِ بستانے

من آں نیم کہ بدنیائے دوں بہ بندد دل
من آں نیم کہ دہد دیں بطمعِ عقبانے

من آں نیم کہ بخوف و امید خلق و جہاں
کند عقیدتِ خود را ز خلق پنہانے

من آں نیم کہ ابا از نگارِ خود بکند
من آں نیم کہ بگردد ز کوئے جانانے

من آں غلامِ رسولم کہ نزدِ او جانے
براہِ یارِ خدا کردن است ایمانے

من آں غلامِ رسولم کہ صد ہزار تبر
براہِ حضرتِ جانانش ہم بنزدِ او خوانے

ہزار تیغ و سناں در رہش بہ الفتِ او
بوقتِ زخم چو مرہم بجثۂ آنے

فدائے حلقۂ خونبارِ عاشقانِ جمال
ہزار ہا سر و جانے بعشقِ جانانے

عجیب منظرِ عشاقِ اہلِ صدق و وفا
عجیب منظرِ کوئے بہ از گلستانے

عجیب منظرِ حسن و جمالِ لم یزلی
عجیب منظرِ دلبر کہ ہست باشانے

ہزار حسنِ پری پیکران و مہرویاں
ہزار خوبیِ خوباں چو باغ و بستانے

بہ پیشِ حسنِ نگارم چو ذرہ پیشِ خورے
نثار بروئے حسینش جہان و ہر جانے

بہ نزدِ ہیچ بمینے ذکرِ حسنِ مہرویاں
مکن۔ کہ من سرے دارم بروئے جانانے

مرا چو جلوۂ حسنِ رخش بیاد آید
رود ز یاد ہمہ خلق و جملہ کیہانے

عجب کہ ہم بمینے از نگارِ خود گردد
چہ کرد دشمنِ حاسد گماں بخسرانے

کجا بود کہ کنم ترکِ آں در و کوئے
کجا بود کہ گذارم ز دست دامانے

مرا چو منظرِ دلبر دگر بخلق کجا
کجا بود کہ کنم کفر بعد ایمانے

من آں نیم کہ کند ترکِ سجدۂ آدم
من آں نیم ز ملائک شوم چو شیطانے

من آں نیم کہ کند ترکِ نوحِ کشتیبان
من آں نیم کہ بخواہد چو غرقہ طوفانے

من آں نیم کہ خلافِ خلیل و راہِ خلیل
شود محبتِ بت آزری لعین دلے

مرا بغیرتِ توحید آں چناں جوشے است
کہ خواہم از دل و جانے شکستِ اوثانے

منم ز لشکرِ محمود و کارِ بت شکنی است
بخاطرم ہمیں جوش و خروش ہر آنے

عمارتِ ہمہ دوناں خراب خواہد شد
نہ دیر ماند و نے بت نہ شورِ شیطانے

کجا بود کہ کنم ترکِ دامنِ موسےٰ
کجا بود کہ بفرعون شوم چو ہامانے

کجا بود کہ کنم با مسیح و مسازے
چناں کہ کرد یہود ابمکرِ شیطانے

چرا ز بابِ مسیحا چو من جدا گردد
کہ ہست از پئے درد و مرہم علاج و درمانے

بطمعِ چند دراہم مسیح فروش نیم
مسیح فروش دگر من دگر بہ ایقانے

من آں نیم کہ بداند چو زہر نامِ مسیح
حبیبِ چو زہر بہ نزدم برائے شیطانے

من آں نیم کہ بگردم ز سیدِ لولاک
کجا بود کہ روم از درِ جہانبانے

ز جابِ رحمتِ جملہ جہان و عالمیان
گریز و آنکہ نخواہد نصیب از خوانے

مگر کسے کہ بود ہمچو من غلامِ رسول
کجا بود کہ کند ترکِ باب و دامانے

عجیب احمدِ مرسل کہ ہست جانِ جہاں
خدا نما است وجودش بفضلِ رحمانے

خدائے پاک و محمد رسول و ہر مرسل
چناں نمود کہ دیدم ہمہ بہ برہانے

نمود از پئے عشاقِ حق چناں مسلک
کہ سر و بر ہمہ گشتہ ز خلق و کیہانے

نہ کس رسید بعلمش نہ کس بحکمتِ او
نہ کس رسید بعرفانِ او بعرفانے

نہ کس بہ زہد و تعبد نہ کس بصدق و ورع
نہ کس بہمت و اخلاص و جذبِ ایقانے

نہ کس بعشق و محبت نہ کس بقرب و وصال
نہ کس بفیض و کرم نے بحسن و احسانے

ہزار یوسفِ مصری بہ پیشِ حسنش ہیچ
ہزار عیسےٰ دم از دمش بہ فیضانے

ز فیضِ احمدِ مرسل گدا شود سلطان
چنانچہ مور ز فیضش شود سلیمانے

محمد است کہ مدحت گرش رسولانند
دلے محمدِ عربی شدش ثنا خوانے

گہے بمدحتِ گیسو۔ گہے بقامتِ او
گہے بجلیۂ رنگش۔ نمود تبیانے

گہے بذکرِ علاماتِ صدقِ او گفتہ
کسوفِ شمس و خسوفِ قمر برمضانے

گہے بیانِ نشانش بترکِ سعیِ قلاص
چنانچہ ذکرِ عشار آمدہ بہ قرآنے

ظہورِ مرگ۔ بطاعون۔ نشانِ نصرتِ او
قرار دادہ در اخبارِ خود چو فرقانے

بہ بر و بحر نشانہائے صدقِ او پیدا
بکوہ و دشت علاماتِ او با علانے

چنانچہ بہر بجا راست آیتِ تفجیر
چنانچہ آیتِ تمصیر در بیابانے

نشانِ صدق بہر نوعِ خلق شد ظاہر
چہ خاک و آب چہ آتش چہ باد و بارانے

چہ نوعِ خلق جمادات و چہ نباتاتے
چہ نوعِ خلق ز حیواں۔ چہ نوعِ انسانے

چہ فرقہ ہائے یہود و چہ فرقہ ہائے ہنود
چہ فرقہ ہائے مسلماں۔ چہ اہلِ صلبانے

چہ دوستانِ وفا کیش و چہ عدو دانش
چہ طبقہ ہائے رجال و نسا و صبیانے

چہ عسر و یسر و چہ جنگ و نبرد و صلح و ظفر
چہ زندگانی و مرگے چہ فرح و احزانے

نشانِ صدق او پنجاب ہند و بنگالہ
نشانِ صدق او جنگ ممالک غربی
غرض ز عالم کون و فساد چہ چیز است
کسے نیامدہ از دشمنانِ حق تقابل
کجا است آتھم و ڈوئی و لیکھرام مجہت
کجا شد است قصوری کہ بود عالی گردہ
کجا معاند پٹیالوی کہ دجل نمود
بر آمد خامہ بود ردہ کافرانِ حق
نشانِ صدق کہ در جلسہ مذاہب بود
چہ بود منظرِ دلکش باجتماع عظیم
فتاد بر سحر ہر ساحرے بہ پیش کلیم
عجب نمود نشانے بقوت اعجاز
بوقت حرب دلائل ز کمر شمشیر ا ہ
بہر صحیفہ کہ اعجاز خود بہ پیش نمود
بیاں نمود بہر صنف موت عیسیٰ را
چناں خلاف حیات مسیح باد و زہر
تاسف است مرا از ابائے مثل یہود
خلاف حکم خدا و خلاف حکم رسول
اگرچہ بہر حیات مسیح کوشا نند
چساں تمصر مسلم نہ در وقوع آید
ازیں چہ ہتک فزو نست اے مسلماناں
دے لعقیدہ حیات است عیسیٰ مریم
دگر ز ہتک بہ بیں آنکہ نزد ہر بدبیں
بود ز قوم کلیمے یکے مسیح آید
یہود گشتہ بانکار عیسیٰ موعود
کجا مسیح محمدؐ کجا مسیح کلیم
محمدؐ است کہ جانم فدائے احسانش
تمام خلق دو جہانے بانتظارش بود
جہاں کہ بود چو غنچہ خموش و لب بستہ
ہزار ہا در رحمت کشود از بعثش
دراں زماں کہ ظہورش بشان صد اکرم
خدا بمنت و رحمت چہ دور آوردہ
زمین مردہ چہ سبزہ دمید از دم او
جہاں ز ظلمت کفر و ضلال تاریکے

نشانِ صدق او زناسے و روم جاپانے
نشانِ صدق او احوال روم و ایرانے
کہ نیست شاہد حقیقتش بعقوبانے
مگر بجنج حق گشتہ شدہ بعیدا سانے
کجا جمونی و بجیلی کہ بود ثعبانے
کجا کہ مرد بجیلم بقہر دریا نے
کجا عدو بہ علیگڈھ کہ کرد کفرانے
نمود کار صوارم بزرد بر ہانے
عجب نمود اثر بہر ردا دیانے
مثال غزوۂ خیبر بصدق فرقانے
نمود از پئے سحرے عصا چو ثعبانے
کہ ہر مخالف حق ہم شدہ ثنا خوانے
فزوں کلام مؤثر ز تیغ برّانے
عجب نمود پئے نخجتے ز سا ملنے
چنانچہ مرد بموتش نجاتِ صلبانے
کہ مرگ او شدہ در رجالِ نفسانے
چہ ہم عقیدۂ نصرانیاں مسلمانے
خلاف قول پیغمبر خلاف قرآنے
مگر حیات نہ یابد کہ گشت بیجانے
کہ ہتک شاہ رسولاں کند مسلمانے
کہ مرد نزد شما زندہ نگہبانے
کہ مرد نزد خدا و رسول و اعوانے
کم است آل محمدؐ ز آل عمرانے
مگر ز آل محمدؐ خلاف امکانے
مسیح احمد مرسل کہ شاہ دورانے
کجا محمد عربی و ابن عمرانے
کجا مد است مسیحش ز آل اعوانے
دلم فدائے قدومش بجان قربانے
بمقدمش چو گلے از نسیم و لبانے
ہزار عقدۂ مشکل از و شد آسانے
جہاں بہ پنجہ شیطان بہ قید عصیانے
کشاد باب انابت فجہر غفرانے
جہاں چو روضۂ سر سبز و بالوانے
شدہ منور او تاباں چو روز تابانے

نمود از رخ محبوب خود ہمہ خوباں
وجود او شدہ مظہر برائے ہر مرسل
بقادیان مقدس ہر بود کہ بار دگر
خدا ز داد ز امین کہ شد شفقت کلیم
خدائے ناکہ نہاں بود ہچو گنج نہاں
خوشا کسے کہ تماشائے نور لم یزلی
خوشا کسے کہ بخورشید سا نمود مہلش
خوشا کسے کہ بکوئے نگار مسکن یافت
خوشا کسے کہ چو من گشتہ طالب عشقش
بیا بیا و بدہ ساقیا بمن جامے
چناں نگاہ بمن کن کہ من بہ پروازے
چناں بمنت و رحمت بمن نظر فرما
چناں بمستی عشقے شوم محو بیت
چناں بجذبۂ حسن لقا شوم مجذوب
بحسن یار بہ بینم جہاں چو آئینہ
حریم قدس شود مسکنم چو مرغ حرم
گدائے کوئے شہانم بآں امید بزرگ
کجا بود کہ گدا ز اتہی بگرو ... نہ

نمود جلوۂ حسنش غنی ز ہر آنے
نمود شان ہمہ انبیاء با فشانے
ظہور کرد تجلی نور فاراں سے
شنیدہ ایم از ینجا بسمع عرفانے
نزول خویش ہموں جا نمود با شانے
کند چہ منظر طورے بنور جانانے
خوشا کسے کہ بہ صہبائے او چو سکرانے
خوشا کسے کہ رہیدہ ز سوز و ہجرانے
خوشا کسے کہ نخواہد سوائے جانانے
کہ تا بشورش عشقش کنم فدا جانے
رسم بمنزل دلدادگاں بیک آنے
پرم بجوش تعشق بسوئے جانانے
کہ تا بحشر نباشد بصحو سکرانے
کہ جز نگار نماند بیاد ایں جانے
بروئے یار بہ بینم جنان و رضوانے
رسم بروضۂ قدوسیاں بفیضانے
بود کہ دولت علیا نواز دازخوانے
کجا بود کہ روم از درش بحرمانے

زہے سعادت قدسی اگر قبول شود
دعائے بندۂ در گہ بہ پیش سلطانے

(غلام رسول راجیکی)

مباحثہ لاہور ماہ جون ۱۹۲۱ء میں مسئلہ ختم نبوت و امکان نبوت بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک مباحثہ مولانا مولوی غلام رسول صاحب فاضل راجیکی اور منشی پیر بخش صاحب ایڈیٹر رسالہ تائید الاسلام لاہور کے مابین ہوا تھا جس میں منشی صاحب موصوف نے دل کھول کر مسئلہ ختم نبوت اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دیگر مسائل پر اعتراض کئے۔ اور حضرت مولانا نے دندان شکن جواب دئے۔ جسے حاضرین نے جنکا زیادہ حصہ غیر احمدی اصحاب پر مشتمل تھا بہت ہی پسند کیا۔ اور صدر جلسہ نے بھی تعریف کی اور حضرت مولانا سے درخواست کی کہ مباحثہ کی مفصل روئداد لکھکر شائع فرما دیں۔ ایسے احباب کی خواہش کو مدنظر رکھکر حضرت مولانا نے یہ روئداد تحریر کی ہے۔

مختلف جماعت ہائے احمدیہ کے سیکرٹری (تبلیغ) صاحبان کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ وہ اسکی متعدد کاپیاں خرید فرما کر غیر احمدیوں میں مفت تقسیم کرنے کا انتظام فرما دیں۔ یہ رسالہ منشی پیر بخش صاحب کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کے ازالہ کیلئے تریاق سے کم نہیں۔ اس لئے جس قدر زیادہ اس رسالہ کی اشاعت ہو گی۔ اسی قدر تبلیغ کے کام میں سہولتیں پیدا ہونگی۔ اسکے بعد منشی پیر بخش صاحب کے دیگر اعتراضات کی تردید میں رسائل شائع کرنے کا

حضرت خلیفۃ المسیح کی ڈائری

(۲۲ر نومبر ۱۹۲۱ء بعد نماز ظہر)

مبایعین اور غیر مبایعین غیر جانبدار کی نظر میں

فرمایا۔ پیغامی ہمیشہ کہتے رہتے ہیں۔ کہ ہمارے خیالات لوگوں کو نہیں پڑھنے دیتے۔ حالانکہ جس غیر جانبدار شخص نے بھی جانبین کی تحریروں کو پڑھا ہے۔ اس نے ہمارے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب جو علیگڈھ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ایم۔اے۔ ایل ایل بی بھی ہیں۔ اور ایک ریاست میں اب مجسٹریٹ ہیں۔ ان کا بیعت کا خط آیا ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے۔ کہ بچپن میں ان کو اس وقت سلسلہ سے واقفیت ہوئی تھی۔ جبکہ وہ عربی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے والد صاحب کے کتب خانہ میں ایک کتاب دیکھی جو حضرت صاحب کی تھی۔ وہ ان کو پسند آئی اور انہوں نے اپنے استاد کو دکھائی۔ جس نے کہا یہ کتاب مت پڑھو کیونکہ یہ لوگ بے دین ہیں۔ پھر ان کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کے بھائی نے ان کو انگریزی تعلیم پر لگا دیا۔ تعلیم علیگڈھ سے فارغ ہونے کے بعد انہیں ایک رشتہ دار کی تعزیت کے لئے جانا پڑا۔ جہاں انہیں ایک صاحب نے کہا۔ کہ آپ سلسلہ احمدیہ کی کتابیں پڑھا کریں۔ اور انہوں نے فہرست بھجوانے کا وعدہ بھی کیا۔ مگر وہ فہرست نہ بھجوا سکے۔ انہوں نے مولوی محمد علی صاحب کو لکھا۔ انہوں نے کتابیں بھجوائیں ان سے اختلاف کا بھی علم ہوا۔ پھر ہماری کتابیں بھی پڑھیں آخر انہوں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور بیعت کر لی۔

گورنمنٹ ملازمین کی یونین کی ممبری

ایک صاحب نے سوال کیا کہ سرکار کے مختلف محکموں کے ملازمین جو یونین بناتے ہیں۔ مثلاً ریلوے والے کیا ایک احمدی ان کا ممبر ہو سکتا ہو۔ فرمایا ممبر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ترقی ہوگی۔ تو ان کو بھی مل جائیگی۔ سٹرائک اخلاقی اور مذہبی جرم ہے۔ ممبر بنا جرم نہیں۔ مگر یہ دوسری بد اخلاقی کا محرک ہے اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

سٹرائک میں شامل نہ ہونے سے نقصان اور فائدہ

عرض کیا گیا۔ جب ہم سٹرائک میں داخل نہیں ہوتے تو سٹرائک کرنے والوں کی بات مان لی جاتی ہے۔ پھر وہ ہکومتنگ کرتے ہیں۔ اور افسروں کے پاس شکایت کرتے ہیں۔ اور وہ انہی کی مانتے ہیں۔ اور ہمیں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ فرمایا کہ چونکہ اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے۔ اس لئے حکام باوجود ہماری پوزیشن کو سمجھنے کے ہمارے خلاف بعض اوقات فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ہم سے انصاف کریں تو جتنی اکثریت ہے ان سے ان کو دست بردار ہونا پڑتا ہے۔

فرمایا یہی تو بات ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم سٹرائک میں شامل نہ ہونے میں اپنا صریح نقصان دیکھنے کے باوجود بھی جس امر میں اخلاقی اور مذہبی نقص دیکھتے ہیں۔ اس میں شامل نہیں ہوتے۔ یورپین لوگ مذہب اور اخلاق میں صدیوں سے گرتے گرتے اب اس حد پر پہنچ گئے ہیں۔ کہ وہ لوگ بغیر زور شور اور غوغا کے کسی بات کو مان ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی شخص سٹرائک کو اصولاً برا سمجھے۔ تو یہی حکام دل میں ضرور اس کے متعلق کہیں گے کہ یا تو یہ فول (Fool) ہے یا خوشامدی وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ جو ان کا نقطہ نگاہ ہے اس سے بلند نقطہ نگاہ ان لوگوں کا ہے جو سٹرائک کو اصولاً غلط کہتے ہیں۔ انگریز لوگ اصول سٹرائک وغیرہ کے مخالف نہیں کیونکہ اپنے وطن میں وہ خود کرتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں اسکی مذمت کرتے ہیں۔ تو اس لئے کہ یہاں ان کی حکومت بھی ہوئی ہے۔ جس کے متعلق وہ سمجھتے ہیں۔ کہ سٹرائکوں سے اس کو ضعف پہنچیگا۔ پس ہم لوگ جو سٹرائکوں کے خلاف ہیں تو محض اس لئے کہ ہم ان کو مذہب اور اخلاق کے لئے برا سمجھتے ہیں۔ اگر ان سٹرائکوں میں شامل نہ ہونے سے ہمیں کچھ نقصان پہنچے تو وہ بہت تھوڑا ہے۔ بہ نسبت اس نقصان کے جو ان میں شامل ہونے کے بعد ہمارا اخلاقی اور مذہبی نقصان ہوگا۔

حکومت کی بنیاد

فرمایا اسلام حکومت کی بنیاد اخلاق اور مذہب پر قائم کرتا ہے۔ اسکی بجائے ایجی ٹیشن یا پبلک رائے پر اگر حکومت کی بنیاد ہو تو بہت دفعہ غلطی مٹ جاتا ہے۔ اور اگر Representative حکومت بھی ہو۔ تو لیڈروں کے ذریعہ پبلک رائے طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ سرکلر جاری کر دئے جائیں کہ ہر گاؤں کے لوگوں سے سرکار اپنے آدمیوں کے ذریعہ رائے طلب کرتی ہے۔ اس طرح جب لیڈروں کا قدم درمیان سے اٹھ جائیگا۔ تو لوگ گورنمنٹ کو اپنا ہی خواہ سمجھنے لگینگے۔ ورنہ بصورت موجودہ اگرچہ گورنمنٹ ہی لوگوں کی رائے معلوم کرنا چاہتی ہے۔ مگر چونکہ درمیان واسطہ غیر شخص کا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ اسی کو اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں۔ اور گورنمنٹ کے مخالف ہو جاتے ہیں

(۲۲ر نومبر ۱۹۲۱ء بعد نماز عصر)

خلیفہ اور پریذیڈنٹ

حکیم احمد حسین صاحب لائلپوری سے فرمایا کہ آپنے سوال کیا ہے۔ کہ خلیفہ اور انجمن کے صدر دونوں کو لوگ منتخب کرتے ہیں۔ اس لئے دونوں میں کیا فرق ہے۔ فرمایا اس میں شبہ نہیں۔ کہ بظاہر یہ دونوں ایک نظر آتے ہیں۔ مگر ان میں ایسا ہی فرق ہے۔ جیسا ان دو بچوں میں فرق ہوتا ہے جن میں سے ایک زمین پر بیٹھا ہو۔ اور دوسرا ایک مضبوط جوان شخص کے کندھے پر سوار ہو۔ اور دونوں کسی درخت سے پھل توڑنا چاہیں ظاہر ہے کہ زمین پر بیٹھنے والے کے مقابلہ میں کامیاب وہی ہوگا۔ جو ایک جوان کے کندھے پر سوار ہے۔ کیونکہ اس نے اس ذریعہ سے پھل کو ہاتھ سے پکڑ کر توڑ لیا ہے۔ زمین پر بیٹھنے والا ممکن ہے پتھر مار کر پھل گرانا چاہے۔ مگر ضروری نہیں کہ اس کے پتھر سے پھل ٹوٹے لیکن اس کے مقابلہ میں کندھے پر چڑھنے والا یقیناً کامیاب ہوگا۔ اسی طرح کسی انجمن یا حکومت کے صدر کو بھی لوگ ہی منتخب کرتے ہیں۔ اور خلیفہ کو بھی۔ مگر خلیفہ کا انتخاب خدا کے وعدہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس کی تائید خدا کرتا ہے۔ کسی اور صدر کیلئے کوئی وعدہ نصرت الٰہی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ حضرت صاحب ہمیشہ تقریر فرماتے تھے۔ اور خطبہ الہامیہ کے دن بھی حضور ہی نے تقریر فرمائی تھی مگر باقی تمام تقریروں کو الہامی نہیں کہتے اور صرف خطبہ الہامیہ کو ہی الہامی تقریر کہتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اور تقریروں کے متعلق وعدہ الٰہی نہ تھا۔ اور خطبہ الہامیہ کے لئے خاص حکم اور وعدہ تھا۔ اس لئے یہی الہامی کہلاتا ہے۔ چونکہ وعدہ الٰہی دوسرے انتخابوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اس لئے ان میں وہ بات نہیں ہوتی۔ جو خلافت کے انتخاب کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ وعدہ الٰہی کے ماتحت ہے۔ لوگوں کا منتخب کیا ہوا صدر ممکن ہے۔ خدا کی ناراضگی کا موجب ہو۔ مگر خلیفہ نہیں ہو سکتا ◆ (باقی آئندہ)

(بقیہ مضمون صفحہ ۳)

اور دونوں نمازیں جمع کرکے حضرت خلیفۃ المسیح کی اقتدا میں پڑھی گئیں۔ دو بجکر آٹھ منٹ پر حضور سٹیج پر تشریف لائے۔ جناب حافظ روشن علی صاحب نے تلاوت قرآن کریم کی۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ اب میری تقریر سے قبل مولوی محمد احسن صاحب کا مضمون پڑھا جائیگا۔ اس مختصر تقریر میں مولوی محمد احسن صاحب کے قادیان میں آنے سے مولوی محمد علی صاحب کی جو حالت ہوئی ہے۔ اس کا ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ اکرام ضیف کے طور پر ان کا مضمون پڑھنے کی اجازت دیگئی ہے اور میں نے اپنے وقت سے انکو وقت دیا ہے اس مضمون کے اس سے زیادہ اور کوئی معنی نہیں۔ اور فرمایا میں مولوی محمد علی صاحب کو گھبراہٹ سے بچانے کے لئے یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ مولوی محمد احسن صاحب نے بیعت نہیں کی۔ اس کے بعد جناب مولوی محمد احسن صاحب کا مضمون مولوی جلال الدین صاحب مولوی فاضل نے پڑھ کر سنایا اور پھر حضور کی ایک پُر معارف و حقائق نظم حکیم احمد حسین صاحب نے پڑھی۔ جس کے متعلق حضور نے ایک رویا سنائی جو اس نظم کی محرک تھی۔ یہ نظم اسی پرچہ میں زیب اوراق الفضل ہے۔ نظم کے بعد تین بجے حضور کی تقریر شروع ہوئی پہلے چند مختصر باتیں بیان فرمائیں۔ اور اس شخص کی معافی کا اعلان فرمایا جس نے کل سخت بیجا حرکت کی تھی۔ اور جس سے حضور کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ کوئی صاحب اس شخص کے خلاف کسی قسم کا خیال نہ کریں۔ کیونکہ اس نے معافی مانگ لی ہے۔ اور میں نے معاف کردیا ہے۔ اس کے بعد ہستی باری تعالیٰ پر تقریر شروع فرمائی۔ جو ۸ بجکر ۱۰ منٹ پر نامکمل ختم ہوئی۔

جلسہ کا تیسرا دن

۲۸ دسمبر ۱۹۲۱ء کا پہلا اجلاس حضرت مولانا میر محمد سعید صاحب حیدرآبادی کی صدارت میں شروع ہوا۔ تلاوت حافظ جمال احمد صاحب نے کی۔ اور اس کے بعد مولانا غلام رسول صاحب فاضل راجیکی کا مضمون بعنوان "نبوت پر محمد علی مونگھیری کے اعتراضات کے جواب" ۱۰ بجے شروع ہوا۔ اس تقریر کے لئے ایک گھنٹہ مقرر تھا۔ جس میں تقریر کو نامکمل ہی چھوڑنا پڑا۔ اور گیارہ بجے سے ایک بجے تک رپورٹ نظارت بیت المال و اپیل کا وقت تھا۔ رپورٹ ہوئی۔ اپیل جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب۔ جناب حافظ روشن علی صاحب و مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے کی۔ جلسہ پر کل چندہ جو ہوا۔ اس کی میزان اکیس ہزار روپیہ ہے۔ جس میں سے تیرہ ہزار دو سو روپیہ نقد اور باقی کے وعدے ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے تشریف لانے تک چندہ کی فراہمی جاری رہی۔ حضور نے نماز ظہر و عصر جمع کرکے پڑھائیں۔ اور جب حضرت صاحب سٹیج پر تشریف لے آئے۔ تو جناب مولوی سید محمد احسن صاحب کو کرسی پر اٹھا کر سٹیج پر لایا گیا۔ جو منٹ تک تقریر سنتے رہے۔ اور بالآخر اپنی معذوری کو پیش کرکے جانے کی اجازت طلب کی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو فرمایا کہ مولوی صاحب کو مکان پر پہنچا دیا جائے۔ اس پر ان کے واپس جانے کا انتظام کیا گیا۔

اس اجلاس میں حافظ روشن علی صاحب نے تلاوت کی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی دوسری نظم ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے پڑھی اس کے بعد حضور نے ۲ بجکر ۵ منٹ پر تقریر شروع فرمائی۔ جو آٹھ بجکر ۵ منٹ پر نا تمام ختم کی گئی۔ اور بقیہ تقریر دوسرے دن پر اٹھا رکھی گئی۔

جلسہ کا چوتھا دن

آج جلسہ کی کارروائی ۱۰ بجے شروع ہوئی۔ اس اجلاس کے صدر حضرت کے تشریف لانے تک خان صاحب منشی فرزند علی صاحب فیروزپور تھے۔ ۱۰ بجکر ۵۴ منٹ تک نظمیں وغیرہ پڑھی جاتی رہیں۔ تلاوت حکیم احمد حسین صاحب نے کی اور نظم پڑھنے والوں کے اسماء یہ ہیں۔ حکیم احمد حسین صاحب مولانا محفوظ الحق صاحب علمی۔ ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے تشریف لانے پر صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب نے تلاوت کی۔ اور ماسٹر اسلم صاحب نے نظم پڑھی۔ ان کے بعد حکیم احمد حسین صاحب نے نظم پڑھی اور ۱۱ بجکر ۴ منٹ پر حضرت صاحب کی بقیہ تقریر شروع ہوئی۔ اور ۱/۲ ۴ بجے ختم ہوئی۔ تقریر شروع ہونے سے قبل حضور نے یہ تجویز بیان فرمائی کہ شہزادہ ویلز کی آمد پر انکی خدمت میں اپنی جماعت کی طرف سے ایک تحفہ پیش کیا جائے۔ جو ایک رسالہ ہو جس میں واقعات حاضرہ کو پیش کرکے اسلام کی طرف انھیں توجہ دلائی جائے۔ اور اس رسالہ کی تیاری کے لئے فی کس ایک آنہ چندہ لیا جائے۔ اس سے نہ کم نہ زیادہ۔ تاکہ بتایا جائے کہ اس قدر آدمیوں کی طرف سے یہ تحفہ تیار کرکے پیش کیا جاتا ہے۔ تقریر کے خاتمہ پر حضور نے دیر تک دُعا فرمائی۔ اور جانیوالوں کو رخصت بخشی۔ اس پر جانیوالے احباب نے مصافحے کئے۔ پھر حضور نے نماز ظہر و عصر جمع کرکے پڑھائیں اور اس کے بعد بیعت ہوئی۔

جو احباب روانہ نہ ہوئے۔ ان کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح نے مناسب سمجھا۔ کہ جلسہ کو جاری رکھا جائے۔ اس اجلاس کے صدر خانصاحب منشی فرزند علی صاحب ہی تھے۔ تلاوت مولوی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی بی اے کلاس اسلامیہ کالج لاہور نے کی۔ اور پھر قرآن کریم اور نظم بابا فضل کریم صاحب نے پڑھی۔ ازاں بعد چند باتیں چودھری فتح محمد صاحب نے بیان کیں اور ان کے بعد ماسٹر نعمت اللہ صاحب گوہر نے ایک لمبی نظم پڑھی۔ جس کے بعد آدھ گھنٹہ جناب مولانا راجیکی صاحب کو ملا اسوقت میں انھوں نے اپنے پہلے مضمون کا ہی ایک حصہ بیان فرمایا۔ دُعا پر اجلاس ختم ہوا۔

مستورات کا جلسہ مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوتا تھا۔ جس میں حافظ جمال احمد صاحب مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری، حافظ روشن علی صاحب، حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی کی تقریریں ہوئیں۔ اور ۲۹ دسمبر ظہر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے تقریر فرمائی۔ جسمیں مستورات کو احکام دین پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

۲۵ سے ۲۹ دسمبر تک منارۃ المسیح پر چار گیس کے لمپ چاروں پہلوؤں پر روشن کئے گئے۔ جو ساری رات جلتے رہتے تھے۔ اور جنکی روشنی دور دور تک پہنچتی تھی۔ اور قصبہ کی کوچوں میں تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا چاندنی چاند کی چٹکی ہوئی ہے۔

اب کے مسجد نور کے صحن میں انتہائی طور پر جس قدر وسیع جلسہ گاہ تیار ہوسکتی تھی۔ کی گئی تھی۔ اور گذشتہ جلسہ کی نسبت قریباً ایک ہزار زیادہ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تیار کی گئی تھی۔ لیکن یہ بھی ناکافی ثابت ہوئی۔ اسوجہ سے غالباً آئندہ سال کھلے میدان میں جلسہ گاہ تیار کی جائیگی۔

اس سال بھی مردم شماری کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہوسکا ہے۔ قابل اطمینان طور پر مردم شماری نہیں ہوسکی۔ جس کی کئی وجوہات ہیں۔ اول تو یہ کہ جو احباب اپنے دوستوں یا رشتہ داروں کے گھروں میں اُترتے ہیں۔ ان کا شمار کرنا مشکل ہوتا ہے۔ (۲) جو دوست باقاعدہ انتظام کے ماتحت ٹھہرائے جاتے ہیں۔ وہ چونکہ سارا دن جلسہ میں شامل رہتے ہیں اسلئے

رات کو بہت سے بھائی اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے ادھر ادھر چلے جاتے ہیں (۳) ارد گرد کے احباب جو جلسہ میں شامل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ (۴) مستورات کی بھی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی ان مشکلات کے باوجود جو مردم شماری کی گئی۔ اس کے مطابق تین ہزار دو سو کی تعداد دار العلوم میں اور ۳۹۹۲ کی تعداد اندرون قصبہ میں گنی گئی۔ جس کی مجموعی تعداد سات ہزار ایک سو بانوے ہے۔

۲۹ کو احباب کی اگرچہ بہت بڑی تعداد روانہ ہو گئی تھی۔ لیکن چونکہ ۳۰ کو جمعہ تھا۔ اسلئے بہت سے احباب موجود تھے۔ جمعہ مسجد نور میں ہی ہوا۔ جہاں خطبہ سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے نکاحوں کا اعلان کیا۔ اور مختصر طور پر خطبہ نکاح بیان فرمایا۔ اس کے بعد خطبہ جمعہ پڑھا۔ اور جمعہ کی نماز کے ساتھ ہی عصر کی نماز بھی پڑھائی۔

اس دفعہ یکوں اور تانگوں کے علاوہ موٹر لاری بھی چلی۔ جس سے احباب کو سفر میں یکوں کی نسبت آرام رہا۔ پنجاب اور ہندوستان کے قریباً ہر حصہ سے احباب جمع ہوئے۔ مالابار سے دو صاحب تشریف لائے۔ اور سیلون کی جماعت احمدیہ کے سکرٹری مسٹر منتار بھی جلسہ میں شامل ہوئے۔

خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے اور جناب میر محمد اسحٰق صاحب سلمہٗ افسر جلسہ کے حسن انتظام سے جلسہ کی انتظامی حالت بہت اچھی رہی۔ احباب کی ضروریات کو پورا کرنے کا خاص انتظام تھا۔ اور والنٹیر صاحبان خدا تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ نہایت مستعدی اور اخلاص سے کام میں مصروف رہے۔ ہر صیغہ کے منتظم اعلیٰ جو بزرگ اور قابل احترام اصحاب تھے۔ انہوں نے بڑی تندہی سے کام کیا جزاہم اللہ احسن الجزاء

۳۰ کی رات کو حضرت نواب محمد علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ نے حسب معمول معززین جماعت کی ہائی سکول کے ہال میں مکلف دعوت کی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

ان کے ایک اشتہار کے مضمون کا ذمہ دار خود مشتہر ہے نہ کہ الفضل ایڈیٹر

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی

باجلاس شیخ محمد حسین صاحب منصف درجہ اول رعیہ بمقام نارووال

مٹھو رام ولد جواہر مل قوم کھتری ساکن ظفروال تحصیل ظفروال

بنام

جمال شاہ ولد چنن شاہ قوم سید ساکن فتووالی تحصیل ظفروال

دعوے ۱۳۰ مانگ

بنام جمال شاہ ولد چنن شاہ قوم سید ساکن فتووالی تحصیل ظفروال

مقدمہ بالا میں بیان حلفی مدعی سے پایا جاتا ہے کہ تم دیدہ دانستہ تعمیل سمن سے گریز کرتے ہو۔ اسلئے تمہارے نام اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی جاری کیا جاتا ہے۔ کہ تم ۲۲/۱ ۵ کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ کرو۔ ورنہ تمہارے برخلاف کارروائی یکطرفہ کی جاویگی۔ آج بتاریخ ۲۱ ماہ دسمبر ۱۹۲۱ء ہمارے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

(مہر عدالت)

اشتہار زیر آرڈر 5 رول ۲۰ ضابطہ دیوانی

باجلاس شیخ محمد حسین صاحب منصف درجہ اول ریع بمقام نارووال

فتح محمد ولد اللہ دتا قوم خوجہ ساکن ہرد و وال و عبد الکریم نابالغ سرپرست فتح محمد

بنام

رحیم بخش ولد ماہی قوم پھرائی ساکن ہرد و وال حال آتشباز شاہدرہ تحصیل و ضلع لاہور مدعا علیہ

دعوی للعہ ۱۰۱

بنام رحیم بخش ولد ماہی قوم پھرائی ساکن ہرد و وال حال آتشباز شاہدرہ تحصیل و ضلع لاہور مدعا علیہ مقدمہ بالا میں بیان حلفی مدعی سے پایا جاتا ہے۔ کہ تم دانستہ تعمیل سمن سے گریز کرتے ہو اس لئے تمہارے نام اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی جاری کیا جاتا ہے۔ کہ ۲۲/۱ ۴ کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ کرو۔ ورنہ تمہارے برخلاف کارروائی یکطرفہ کی جاویگی۔ آج بتاریخ ۲۰ ماہ دسمبر ۱۹۲۱ء ہمارے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

(مہر عدالت)